بسم اللہ الرحمن الرحیم

اصولِ حدیث کامل

﴿مقدمۂ مشکوۃ اور شرح نخبۃ الفکر کا بہترین خلاصہ﴾

﴿یہ کتاب راہِ خدا میں صدقہ ہے، طباعت کی عام اجازت ہے﴾

مؤلف:

عبدالعظیم سعیدی بڈھاکھیڑوی

فاضل دارالعلوم دیوبند

ناشر:

عبدالعظیم سعیدی

Mob. 8535013124

Email. aazeemsaeedi949@gmail.com

تفصیلات

﴿یہ کتاب راہِ خدا میں صدقہ ہے،طباعت کی عام اجازت ہے﴾

نام کتاب ---------- اصولِ حدیث کامل
مصنف ------------ عبدالعظیم سعیدی بڈھاکھیڑوی
ناشر-------------- مکتبہ سعیدیہ سہارنپور
کمپوزنگ وسیٹنگ ---- عبدالعظیم سعیدی
باہتمام ------------ محمد فاروق سعیدی بڈھاکھیڑوی
صفحات ------------۱۵۰
قیمت--------------

مکتبہ سعیدیہ سہارنپور
یوپی ہندوستان 8535013124
سہارنپورودیوبند کے تمام معیاری کتب خانوں پر دستیاب ہے۔

اعترافِ حقیقت

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعَالَمِیْنَ وَالصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ عَلٰی مَنْ کَانَ نَبِیّاً وَآدَمُ بَیْنَ الْمَاءِ وَالطِّیْنِ وَعَلٰی آلِہٖ وَ أَصْحَابِہٖ أَجْمَعِیْنَ أَمَّا بَعْدُ:

درحقیقت ناچیز کوکوئی ذاتی اہلیت تو حاصل نہیں جو کچھ ان صفحات میں بکھیرا ہے وہ سب میرے اساتذۂ کرام۔اللہ تعالیٰ ان کے سایۂ عاطفت کوتا دیر رکھے۔کے فیوض وبرکات ہیں،ان حضرات سے حاصل شدہ موتیوں اوراکابر کی کتابوں میں موجود جواہرات کو ایک لڑی میں پروکرمیں نے آپ کے سامنے پیش کیاہے،میرااپنا کچھ نہیں ہے سوائے اسکے کہ میں نے ان بیش قیمتی موتیوں کواپنے آسان الفاظ کے سانچے میں ڈھال دیا ہے،حتی الامکان میری کوشش یہ رہتی ہے کہ میں آپ حضرات کے سامنے محقق اور پختہ باتیں پیش کروں اورغیر محقق باتوں سے بالکلیہ گریز کروں اور جو کچھ بھی لکھوں آسان اورصاف الفاظ میں لکھوں تاکہ طلبہ کو بہ آسانی سمجھ آجائے اور مغلق ترین مضامین انکے سامنے پورے طور پر منکشف ہوجائیں اورانکے اندرایک استعداد پیداہوجائے جس سے وہ علومِ اصلیہ کوبصیرت کے ساتھ حاصل کریں اوردنیاوآخرت میں رفعت وبلندی سے نوازیں جائیں۔

چونکہ میں ایک بےعلم شخص ہوں اسلئے غلطی کا احتمال ہے اسلئے اہلِ علم حضرات سے درخواست ہے کہ وہ متنبہ فرماتے رہیں تاکہ اگلے ایڈیشن میں تصحیح کرلی جائے۔

ایک خاص گذارش:

میرے والدین کے بے پایہ احسانات اورانکی دعاؤں سے میں نے یہ جسارت کی ہے اسلئے قارئین سے درخواست ہے کہ ان کے لئے صحت و عافیت اور مغفرت کی دعا کریں اور بندہ کے لئے بھی مغفرت اوراخلاص کی دعا کریں،زَادَکُمُ اللّٰہُ عِلْماً

وعَمَلاً۔

فقط/والسلام

عبدالعظیم سعیدی بڈھاکھیڑوی سہارنپوری

غُفِرَ لَہٗ وَ لِوَالِدَیْہِ

خصوصیات

(۱) اس کتاب میں اصولِ حدیث کے سبھی اہم مضامین بیان کرنے کی کوشش کی گئی ہے اسلئے یہ ''مقدمۂ مشکوۃ اور شرح نخبۃ الفکر'' کے طلبہ کے لئے یکساں مفید ہے۔

(۲) ہر مضمون کے تحت ''وضاحت'' کے عنوان سے ایک تفصیل پیش کی گئی ہے جو اس فن کو انتہائی آسان اور سہل بنا دیتی ہے۔

(۳) حتی الامکان یہ کوشش کی گئی ہے کہ الفاظ نہایت آسان ہوں تا کہ ہر طالبِ علم کماحقہٗ فائدہ اٹھا سکے۔

(۴) ہر تعریف کی مثال بیان کر کے تعریف کا اس مثال پر انطباق کیا گیا ہے، جس سے یہ فن طلبہ کے لئے غایت درجہ آسان اور واضح ہو گیا ہے۔

(۵) ''ظفر الامانی، منہج النقد، شرح نخبۃ الفکر، تیسیر مصطلح الحدیث، مصطلحات حدیثیہ جیسی ۳۵ مستند و معتبر کتابوں'' سے استفادہ کیا گیا ہے اور ان میں سے جو مضمون جس میں زیادہ محقق ہے اسی کو لیا گیا ہے، غیر محقق مضامین سے بالکلیہ احتراز کیا گیا ہے

ہدایات

(۱) اس کتاب کے تمام مضامین کو حفظ کر لینا ہے سوائے اس تفصیل کے جو ''وضاحت'' کے عنوان کے تحت پیش کی گئی ہے اسے خوب سمجھ کر پڑھنا ہے حفظ کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔

(۲) جب تک ایک بات کامل طور پر سمجھ میں نہ آ جائے تب تک آگے نہیں بڑھنا ہے۔

اصولِ حدیث:

هُوَ عِلْمٌ بِأُصُوْلٍ وَ قَوَاعِدَ يُعْرَفُ بِهَا أَحْوَالُ السَّنَدِ وَالْمَتَنِ مِنْ حَيْثُ الْقُبُوْلِ وَالرَّدِّ

ایسے اصول وقواعد کا علم جنکے ذریعہ قبول ورد کے اعتبار سے سند ومتن کے احوال جانے جائیں۔

موضوع:

السَّنَدُ وَالْمَتَنُ مِنْ حَيْثُ الْقُبُوْلِ وَالرَّدِّ

سند ومتن، مقبول ومردود ہونے کے اعتبار سے۔

غرض و غایت:

تَمْيِيْزُ الصَّحِيْحِ مِنَ السَّقِيْمِ مِنَ الْأَحَادِيْثِ

صحیح اور غیر صحیح احادیث کی پہچان۔

حدیث:

مَا أُضِيْفَ إِلَى النَّبِيِّ أَوِ الصَّحَابَةِ أَوِ التَّابِعِيْنَ مِنْ قَوْلٍ أَوْ فِعْلٍ أَوْ تَقْرِيْرٍ

وہ قول، فعل یا تقریر جسے حضورؐ کی طرف منسوب کیا گیا ہو۔اسی طرح جو قول، فعل یا تقریر صحابہ اور تابعین کی طرف منسوب ہو اسے بھی حدیث کہا جاتا ہے، اور یہی اصح ہے۔

نوٹ:

تقریر کا مطلب یہ ہے کہ کسی نے حضورؐ کی موجودگی میں کوئی کام کیا یا کوئی بات کہی اور آپؐ نے اسے منع نہیں فرمایا بلکہ سکوت فرما کر اسے مقرر اور باقی رکھا۔

خبر:

اسکے بارے میں تین قول ہیں جو درج ذیل ہیں:

١- یہ حدیث کے مرادف ہے یعنی دونوں کے اصطلاحی معنی ایک ہی ہیں۔ یہی قول

زیادہ صحیح اور راجح ہے۔

۲-یہ حدیث کے مغایر ہے یعنی حدیث ''اس قول ،فعل اور تقریر کو کہتے ہیں جو حضورؐ،صحابہ اور تابعین سے منقول ہو''۔اور خبر اسے کہتے ہیں جو کسی اور سے منقول ہو مثلاً پہلے بادشاہوں کی خبریں۔

۳-یہ حدیث سے عام ہے یعنی حدیث ''اس قول ،فعل اور تقریر کو کہتے ہیں جو حضورؐ،صحابہ اور تابعین سے منقول ہو''۔اور خبر اسے بھی کہتے ہیں جو حضورؐ،صحابہ اور تابعین سے منقول ہو،اور اسے بھی کہتے ہیں جو کسی اور سے منقول ہو۔

نوٹ:

اس فن میں لفظِ خبر ''حدیث'' کے معنی میں ہی مستعمل ہوتا ہے۔

أثر:

اسکے بارے میں دو قول ہیں جو درج ذیل ہیں:

۱-یہ حدیث کے مرادف ہے یعنی دونوں کے اصطلاحی معنی ایک ہی ہیں،یہی مذہبِ مختار ہے۔(درسِ ترمذی)

۲-ان دونوں کے درمیان فرق ہے کہ حدیث ''اس قول،فعل اور تقریر کو کہتے ہیں جو حضورؐ سے منقول ہو''۔اور اثر ان اقوال وافعال کو کہا جاتا ہے جو صحابہ اور تابعین کی طرف منسوب ہوں۔

نوٹ:

حاصلِ کلام یہ ہے کہ محدثین کے نزدیک لفظِ ''حدیث،خبر اور اثر'' تینوں مترادف ہیں۔

راوی:

وہ شخص جو سند کے ساتھ حدیث کو نقل کرے۔

طالب الحدیث:

وہ مبتدی جو روایت،درایت،شرح اور فقہ کے اعتبار سے حدیث پڑھنے میں مشغول ہو۔

إسناد:

اسکے دو معنی ہیں جو مندرجہ ذیل ہیں:

١ -عَزْوُ الْحَدِيْثِ إلى قَائِلِهِ مُسْنَداً

حدیث کو اسکے قائل یعنی رسول اللہ ﷺ کی طرف سند کے ساتھ منسوب کرنا۔

٢ -سِلْسِلَةُ الرُّوَاةِ الْمُوْصِلَةُ لِلْمَتَنِ

راویوں کا سلسلہ (ناقلینِ حدیث) جو متن تک لے جائے ،یعنی ناقلینِ حدیث کو بھی اسناد کہتے ہیں۔اوراس معنی کے اعتبار سے اسناد ''سند'' کے مترادف ہے۔(جسکا ذکر نیچے آرہا ہے)

سند:

سِلْسِلَةُ الرُّوَاةِ الْمُوْصِلَةُ لِلْمَتَنِ

راویوں کا سلسلہ (ناقلینِ حدیث) جو متن تک لے جائے ،یعنی ناقلینِ حدیث کو سند بھی کہتے ہیں۔

متن:

مَا يَنْتَهِى إلَيْهِ السَّنَدُ مِنَ الْكَلَامِ

وہ کلام جس پر سلسلۂ سند جا کر رک جائے۔یعنی جو کلام سند بیان کرنے کے بعد ذکر کیا جائے اسے ''متن'' کہتے ہیں۔

وضاحت:

حَدَّثَنَا مَكِّيُّ بْنُ إبْرَاهِيمَ قَالَ حَدَّثَنَا يَزِيْدُ بْنُ أبِى عُبَيْدٍعَنْ سَلمَةَ قَالَ سَمِعْتُ النَّبِيَّ يَقُوْلُ:"مَنْ يَّقُلْ عَلَيَّ مَا لَمْ أقُلْ فَلْيَتَبَوَّءْ مَقْعَدَهٗ مِنَ النَّارِ"

(بخاری، کتاب العلم،بَابُ إثْمِ مَنْ كَذَبَ عَلى النَّبِيِّ ﷺ)

اس مثال میں " مَنْ يَّقُلْ " سے پہلے جو رواۃ مذکور ہیں وہ ''سند'' ہے،اور " مَنْ يَّقُلْ " سے آخر تک جو کلام مذکور ہے وہ ''متن'' ہے۔

مسنَد:

اسکے تین معنی ہیں جو مندرجہ ذیل ہیں:

۱-اَلْحَدِیْثُ الْمَرْفُوْعُ الْمُتَّصِلُ سَنَداً

''وہ حدیثِ مرفوع جسکی سند متصل ہو''۔اور ''مسنَد'' اسی معنی کے اعتبار سے حدیث کی اقسام میں سے ہے۔

۲-اس کتاب کو بھی ''مسنَد'' کہتے ہیں جسمیں ہر صحابی کی روایات علیحدہ علیحدہ کردی گئی ہوں۔

۳-مسنَد ''سند'' کو بھی کہتے ہیں لیکن اس صورت میں یہ بابِ افعال سے مصدر میمی ہوگا ،اسمِ مفعول نہیں ہوگا۔

وضاحت:

چونکہ مسند پہلے معنی کے اعتبار سے حدیث کی اقسام میں سے ہے اور وہ پہلے معنی یہ ہیں "اَلْحَدِیْثُ الْمَرْفُوْعُ الْمُتَّصِلُ سَنَداً"۔اب ہم ان معنی کی فوائدِ قیود ذکر کرتے ہیں

۱-مسند حدیثِ مرفوع ہوتی ہے لہٰذا موقوف اور مقطوع مسند نہیں ہوگی۔

۲-مسند ایسی حدیثِ مرفوع ہوتی ہے جو متصل ہو،اگر متصل نہیں ہے بلکہ منقطع ہے تو وہ بھی مسند نہیں ہوگی۔

مسنِد:

مَنْ یَرْوِیْ الْحَدِیْثَ بِسَنَدِہٖ سَوَاءٌ أَکَانَ عِنْدَہٗ عِلْمٌ بِہٖ أَمْ لَیْسَ لَہٗ إِلَّا مُجَرَّدُ الرِّوَایَۃِ

وہ ہے جو حدیث کو سند کے ساتھ بیان کرے چاہے اسے سند کا صحیح علم ہو یا نہ ہو بس وہ اسے سند کے ساتھ نقل کر رہا ہو۔

محدِّث:

ھُوَ مَنْ یَشْتَغِلُ بِعِلْمِ الْحَدِیْثِ رِوَایَۃً وَ دِرَایَۃًوَ یَطَّلِعُ عَلٰی کَثِیْرٍ مِنَ الرِّوَایَاتِ وَ أَحْوَالِ رُوَاتِھا

جو علمِ حدیث میں روایۃً ودرایۃً مشغول ہو اور کثیر روایات اور انکے راویوں کے

حالات پر مطلع ہو۔

حافظ:

یہ اکثر محدثین کے نزدیک ''محدث'' کے مرادف ہے۔اور بعض حضرات مندرجہ ذیل تعریف کرتے ہیں۔

هُوَ أَرْفَعُ دَرَجَةً مِنَ الْمُحَدِّثِ،بِحَيْثُ يَكُوْنُ مَايَعْرِفُهٗ فِي كُلِّ طَبقَةٍأَكْثَرَ مِمَّا يَجْهَلُهٗ

حافظ،محدث سے ایک درجہ اوپر ہوتا ہے،اس طرح کہ ہر طبقہ میں اسکی معرفت اسکی جہالت سے زیادہ ہوتی ہے۔

حاکم:

هُوَ مَنْ أَحَاطَ عِلْماً بِجَمِيْعِ الْأَحَادِيْثِ حَتّٰى لَا يَفُوتَهٗ مِنْهَا إِلَّا الْيَسِيْرُ

جو تمام احادیث کو اسانید و متون کے ساتھ جانتا ہو،ایسی بہت ہی کم احادیث ہوں جو اس سے رہ گئی ہوں۔یہ تعریف بھی بعض اہلِ علم کی رائے کے مطابق ہے۔

خبر کی اقسام ہم تک پہنچنے کے اعتبار سے

ہم تک پہنچنے کے اعتبار سے خبر کی دو قسمیں ہیں:

۱-خبرِ متواتر ۲-خبرِ واحد

۱-خبرِ متواتر:

هُوَ الْحَدِيْثُ الَّذِيْ رَوَاهُ عَدَدٌ كَثِيْرٌ تُحِيْلُ الْعَادَةُ تَوَاطُئهم وَ تَوَافُقَهُم عَلى الْكِذْبِ فِي جَمِيْعِ طَبَقَاتِ السَّنَدِوَ كَانَ مُسْتَنَدُهُم الْحِسَّ

وہ حدیث جسکو سند کے ہر طبقہ میں راویوں کی اتنی بڑی تعداد نقل کرے جنکا جھوٹ پر قصداً یا اتفاقاً جمع ہو جانا عادۃً محال ہو اور سند کی انتہاء امرِ حسی پر ہو۔

فائدہ:

قصداً جمع ہونے کا مطلب یہ ہے کہ وہ بالقصد جھوٹ پر جمع ہو جائیں۔اور اتفاقاً جمع ہونے کا مطلب یہ ہے کہ وہ بلاقصد جھوٹ پر جمع ہو جائیں۔تو خبر،متواتر اس وقت ہوگی جب اسکے رواۃ اس قدر کثیر ہوں جو جھوٹ پر بالقصد و بلاقصد دونوں ہی طرح جمع نہ ہو سکتے ہوں۔

خبرِ متواتر کے شرائط

حدیث کے درجۂ تواتر تک پہنچنے کے لئے چار شرائط ہیں:

(۱) حدیث کے راوی کثیر ہوں۔(۲) یہ کثرت، سند کے تمام طبقات میں پائی جائے یعنی ابتداء سے انتہاء تک راوی کثیر ہوں۔(۳) یہ کثرت اس درجہ کی ہو کہ قصداً یا اتفاقاً انکا جھوٹ پر متفق ہونا عادۃً محال ہو۔(۴) سند کی انتہاء امرِ حسی پر ہو یعنی سند کا آخر "سَمِعْنَا "یا"رَأَیْنَا" یا"لَمَسْنَا"وغیرہ الفاظ ہوں یعنی سند کے بعد ایسی بات بیان کی جائے جسکا ادراک حواس سے ہوتا ہو،ایسی بات بیان نہ کی جائے جسکا ادراک عقل سے ہوتا ہو مثلاً عالم کا حادث ہونا،اِس صورت میں یہ خبرِ متواتر نہیں ہوگی۔

فائدہ:

قولِ راجح کے مطابق کثرت کی کوئی تعداد متعین نہیں ہے۔یعنی اتنے لوگ کثیر کہلائیں گے جنکا بالقصد و بلاقصد جھوٹ پر اتفاق عادۃً محال ہو، چاہے انکی تعداد کتنی ہی ہو۔

مثال:

مَنْ کَذَبَ عَلَیَّ مُتَعَمِّداً فَلْیَتَبَوَّأْ مَقْعَدَہٗ مِنَ النَّارِ(جس نے مجھ پر جان بوجھ کر جھوٹ باندھا اسے چاہئے کہ اپنا ٹھکانا جہنم میں بنالے)اس حدیث کو ستر سے زیادہ صحابہ کرامؓ نے نقل کیا ہے۔

(مسلم، بَابُ تَغْلِیْظِ الْکِذْبِ عَلٰی رَسُوْلِ اللّٰہِ ،رقم:۳)

حکم:

خبرِ متواتر علمِ یقینی بدیہی کا فائدہ دیتی ہے،اسی لئے اس پر عمل کرنا فرض ہے اور اسکا

منکر کافر ہے۔

فائدہ:

اسکے راویوں کے حالات سے بحث کرنے کی ضرورت نہیں ہوتی۔

فائدہ:

خبرِ متواتر سے حاصل ہونے والا علم بدیہی ہوتا ہے یعنی یہ اس شخص کو بھی حاصل ہوجاتا ہے جونظر وفکر کی صلاحیت رکھتا ہو، اور اسے بھی حاصل ہوجاتا ہو جسمیں نظر وفکر کی صلاحیت نہ ہو۔

خبرِ متواتر کی دو قسمیں ہیں

۱-متواترِ لفظی ۲-متواترِ معنوی

متواترِ لفظی:

مَاتَوَاتَرَ لَفْظُهٗ وَمَعْنَاهُ

وہ حدیث جسکے الفاظ اور معانی دونوں متواتر ہوں۔

مثال:

مَنْ كَذَبَ عَلَيَّ مُتَعَمِّداً فَلْيَتَبَوَّأْ مَقْعَدَهٗ مِنَ النَّارِ

ستر سے زیادہ صحابہؓ نے اِسے اِنہیں الفاظ میں روایت کیا ہے اور جب الفاظ متواتر ہیں تو اُنکے واسطے سے معانی بھی متواتر ہوئے، اس لئے یہ لفظاً ومعنًی دونوں طرح متواتر ہے۔

متواتر معنوی:

مَاتَوَاتَرَمَعْنَاهُ دُوْنَ لَفْظِهٖ

وہ حدیث جسکے صرف معانی متواتر ہوں الفاظ متواتر نہ ہوں۔

مثال:

متواترِ معنوی کی مثال وہ احادیث ہیں جن میں دعا کے وقت ہاتھ اٹھانے کا ذکر ہے، یہ احادیث لگ بھگ ۱۰۰ ہیں جن میں سے ہر حدیث میں یہ مضمون موجود ہے کہ ''آپ ﷺ نے دعا میں ہاتھ اٹھائے'' اب اگر چہ یہ عمل مختلف مواقع اور مختلف اوقات میں ہوا اور ان میں سے ہر واقعہ متواتر نہیں لیکن ان تمام احادیث میں یہ بات قدرے مشترک ہے کہ ''آپ ﷺ نے دعا میں ہاتھ اٹھائے'' ۔تو یہ احادیث معنیً متواتر ہوئیں یعنی انکے معانی تواتر کے ساتھ ثابت ہیں لیکن الفاظ تواتر کے ساتھ ثابت نہیں۔

متواتر کا وجود:

متواترِ لفظی کا وجود کم ہے البتہ متواترِ معنوی کی ایک معقول تعداد موجود ہے مثلاً وہ احادیث جن میں اسلام کے شعائر اور فرائض (وضوء، نماز، روزہ اور زکوۃ وغیرہ) مذکور ہیں۔

۲- خبرِ واحد:

مَالَمْ يَجْمَعْ شُرُوْطَ الْمُتَوَاتِرِ

وہ حدیث جو خبرِ متواتر کی شرطوں پر پورا نہ اترتی ہو۔

حکم:

اخبارِ آحاد جو مقبول ہیں وہ بذاتِ خود تو ظنِ غالب ہی کا فائدہ دیتی ہیں، لیکن جب انکے ساتھ قرائن مل جاتے ہیں تو بقولِ مختار وہ علمِ یقینی نظری کا فائدہ دیتی ہیں

خبرِ واحد کی انواع قرائن کے اعتبار سے:

۱- وہ خبرِ واحد جسکی تخریج شیخین نے بالاتفاق کی ہے، علمِ یقینی نظری کا فائدہ دیتی ہے کیونکہ اسکے ساتھ چند قرائن منضم ہوتے ہیں۔

پہلا قرینہ: فنِ حدیث اور راویوں کی چھان بین میں شیخین کی جلالتِ شان کا وسیع پیمانے پر مسلم ہونا۔

دوسرا قرینہ: صحیح احادیث کو سقیم احادیث سے ممتاز کرنے میں انکا سب پر سبقت لے جانا۔

تیسرا قرینہ: علماء کا صحیحین کو شرفِ قبولیت سے نوازنا۔ انہی تین قرائن کی وجہ سے صحیحین کی اخبارِ آحاد علمِ یقینی نظری کا فائدہ دیتی ہیں۔

تنبیہ:

صحیحین کی اخبارِ آحاد اسی وقت علمِ یقینی نظری کا فائدہ دیتی ہیں جب حفاظِ حدیث نے ان میں نقد و جرح نہ کیا ہو، اور نہ ہی ان میں ایسا تعارض ہو کہ ایک حدیث کو دوسری پر ترجیح نہ دی جا سکے، حاصلِ کلام یہ ہے کہ صحیحین کی وہی اخبار آحاد علمِ یقینی نظری کا فائدہ دیتی ہیں جو نقد و جرح اور تعارضِ مذکور سے محفوظ ہوں۔

۲-وہ خبرِ واحد جو مشہور ہو (عزیز اور غریب نہ ہو) اور اسکی ایسی بہت سی سندیں ہوں جو راویوں کی کمزوریوں اور خرابیوں سے پاک ہوں۔ یہ بھی علمِ یقینی نظری کا فائدہ دیتی ہے۔

۳-وہ خبرِ واحد جو غریب نہ ہو بلکہ عزیز یا مشہور ہو اور اسکے سلسلۂ سند میں تمام روات ائمہ وحفاظ ہوں مثلاً ایک حدیث کی روایت امام احمد بن حنبل نے ایک اور شخص کے ساتھ امام شافعیؒ سے کی اور امام شافعیؒ نے ایک اور شخص کے ساتھ امام مالکؒ سے کی، تو یہ حدیث بھی علمِ یقینی نظری کا فائدہ دیگی اسلیئے کہ ان روات میں ایسے قابلِ قبول اوصاف موجود ہیں جنکے سبب یہ راوی جمِ غفیر کے قائم مقام ہو سکتے ہیں۔

پھر خبرِ واحد کی مختلف اعتبار سے مختلف تقسیمیں کی جاتی ہیں

خبرِ واحد کی پہلی تقسیم

خبرِ واحد کی روات کی تعداد کے اعتبار سے تین قسمیں ہیں:

۱-مشہور ۲-عزیز ۳-غریب

۱-مشہور:

مَارَوَاهُ ثَلَاثَةٌ فَأَكْثَرُ -فِيْ كُلِّ طَبَقَةٍ-مَا لَمْ يَبْلُغْ حَدَّ التَّوَاتُرِ

وہ خبرِ واحد جسکے راوی ہر طبقے میں کم از کم تین ہوں لیکن حدِ تواتر سے کم ہوں۔

مثال:

عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عَمْرٍوؓ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ "اَلْمُسْلِمُ مَنْ سَلِمَ الْمُسْلِمُوْنَ مِنْ لِّسَانِهٖ وَ يَدِهٖ"(مسلمان وہ ہے جسکی زبان اور ہاتھ سے دوسرے مسلمان محفوظ رہیں)

(بخاری، کتاب الإیمان،رقم:۱۰)

وضاحت:

حضرت عبداللہ بن عمرو سے روایت کرنے والے پہلے طبقے میں عامر بن شراحیل ،ابوالخیر مَرثد بن عبداللہ الغنوی،اور ابوسعد الازدی ہیں۔اور دوسرے طبقے میں عبداللہ بن ابی السفر ،زکریا بن ابی زائدہ،بیان بن بشر وغیرہ ہیں۔اور تیسرے طبقے میں الفضل بن دکین ،یحیٰ بن سعید القطان ،الفضل بن موسیٰ،اور یعلیٰ بن عبید ہیں۔چوتھے طبقے میں مسدد،عمرو بن علی ،محمد بن عبداللہ بن یزید اور یوسف بن عیسیٰ ہیں۔تو چونکہ اسکے رواۃ ہر طبقے میں تین یا تین سے زیادہ ہیں اسلئے یہ مشہور ہے۔

حکم:

مشہورِ اصطلاحی میں اگر صحت کے شرائط پائے جائیں تو "صحیح" کہلائیگی ،اور اگر اسمیں حُسن کے شرائط پائے جائیں گے تو "حَسن" کہلائیگی،اور اگر اسمیں نہ صحت کے شرائط ہوں اور نہ حُسن کے تو "ضعیف" کہلائیگی،اور اگر رسول اللہ سے اسکا ثبوت ہی نہ ہو تو "موضوع" کہلائیگی

مشہورِ غیر اصطلاحی:

وَيُقْصَدُ بِهٖ مَااشْتَهَرَ عَلَى الْأَلْسِنَةِ مِنْ غَيْرِ شُرُوْطٍ تُعْتَبَرُ

اس مراد وہ حدیث ہے جو لوگوں کی زبانوں پر مشہور ہو بغیر معتبر شرائط کے،

نوٹ:

بعض حدیثیں فقہاء، اصولیین، نحاۃ اور عوام میں مشہور ہیں، لیکن ان میں مشہورِ اصطلاحی کے شرائط نہیں پائے جاتے، اسلئے وہ مشہورِ غیر اصطلاحی کے تحت آتی ہیں۔

مشہورِ غیر اصطلاحی کی کئی انواع ہیں:

۱-اسکی سند ایک سے زائد ہو ۲-ایک ہو ۳-ایک بھی نہ ہو

حکم:

مشہورِ غیر اصطلاحی میں اگر صحت کے شرائط پائے جائیں تو ''صحیح'' کہلائیگی، اور اگر اسمیں حُسن کے شرائط پائے جائیں گے تو ''حسن'' کہلائیگی، اور اگر اسمیں نہ صحت کے شرائط ہوں اور نہ حُسن کے تو ''ضعیف'' کہلائیگی، اور اگر رسول اللہ سے اسکا ثبوت ہی نہ ہو تو '' موضوع '' کہلائیگی

حدیثِ مستفیض:

اسکے بارے میں تین قول ہیں:

۱-یہ مشہورِ اصطلاحی کے مرادف ہے۔اور اسی معنی میں اسکا استعمال کثیر ہے

۲-یہ مشہورِ اصطلاحی سے خاص ہے یعنی مشہور اسے کہتے ہیں '' جسکے راوی ہر طبقے میں کم از کم تین ہوں '' خواہ ہر طبقہ میں راویوں کی تعداد برابر ہو مثلاً ہر طبقہ میں تین-تین یا چار-چار ہوں، یا برابر نہ ہو لیکن مستفیض اسے کہتے ہیں '' جسکے راوی ہر طبقے میں کم از کم تین ہوں اور ہر طبقہ میں راویوں کی تعداد بھی برابر ہو مثلاً ہر طبقہ میں تین-تین یا چار-چار ہو ں۔

۳-یہ مشہورِ اصطلاحی سے عام ہے۔یہ قول دوسرے قول کا عکس ہے اسی کو پیشِ نظر رکھ کر سمجھ لیا جائے

۔

۲-عزیز:

مَا یَكُوْنُ رُوَاتُهٗ اِثْنَیْنِ فِیْ طَبَقَةٍ وَلَمْ یَقِلُّوْا عَنْ اِثْنَیْنِ فِیْ جَمِیْعِ طَبَقَاتِ السَّنَدِ

وہ خبرِ واحد جسکے راوی ضرور کسی ایک طبقے میں دو ہوں پھر خواہ ہر طبقے میں دو ہی ہوں یا کسی طبقے میں زائد بھی ہو گئے ہوں مگر کسی بھی طبقے میں دو سے کم نہ ہوئے ہوں۔

مشہورِ اصطلاحی اور عزیز میں فرق:

عزیز کے کم سے کم ایک طبقے میں ضروری ہے کہ دو ہی راوی ہوں اب چاہے دیگر طبقات میں بھی دو ہی ہوں یا ان میں دو سے زائد ہوں لیکن مشہورِ اصطلاحی کے ہر طبقے میں کم سے کم تین راوی ہوتے ہیں۔

مثال:

عَنْ أَنَسٍ قَالَ :قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ "لَایُؤْمِنُ أَحَدُکُمْ حَتّٰی أَکُوْنَ أَحَبَّ إِلَیْهِ مِنْ وَّالِدِهٖ وَوَلَدِهٖ وَالنَّاسِ أَجْمَعِیْنَ"

(تم سے کوئی اس وقت تک کامل مومن نہیں ہوسکتا جب تک میں اسکے نزدیک اسکے والد، اولاد اور تمام لوگوں سے محبوب نہ ہو جاؤں)

(بخاری، بَابُ حُبِّ الرَّسُوْلِ مِنَ الْاِیْمَانِ، رَقْم:۱۵)

وضاحت:

حضرت انسؓ سے روایت کرنے والے پہلے طبقے میں قتادہ اور عبدالعزیز بن صہیب ہیں۔ اور دوسرے طبقے میں قتادہ سے روایت کرنے والے شعبہ اور سعید ہیں، اور عبدالعزیز سے روایت کرنے والے اسماعیل بن علیہ اور عبدالوارث ہیں۔ پھر تیسرے طبقے میں ان چاروں میں ہر ایک سے ایک ایک جماعت نے روایت کیا ہے۔ تو چونکہ شروع کے دو طبقوں میں راوی دو۔ دو ہیں اسلئے یہ حدیث، عزیز ہے۔

حکم:

حدیثِ عزیز میں اگر صحت کے شرائط پائے جائیں تو ’’صحیح‘‘ کہلائیگی ،اور اگر اسمیں حُسن کے شرائط پائے جائیں گےتو ’’حسن‘‘ کہلائیگی،اور اگر اسمیں نہ صحت کے شرائط ہوں اور نہ حُسن کے تو ’’ضعیف‘‘ کہلائیگی ،اور اگر رسول اللہ سے اسکا ثبوت ہی نہ ہو تو ’’موضوع ‘‘ کہلائیگی

خبرِ عزیز کا وجود:

ایسی خبرِ عزیز کا تو کوئی وجود نہیں جسکے راوی ہر طبقے میں دو ہی ہوں البتہ ایسی کچھ اخبارِ عزیزہ پائی جاتی ہیں جن کے بعض طبقات میں دو راوی ہیں اور بعض میں دو سے زائد ہیں ،لیکن وہ بھی کم ہی ہیں۔

تنبیہ:

حدیث کے صحیح ہونے کے لئے اسکا عزیز ہونا یعنی اسکے راویوں کا کم از کم دو ہونا شرط نہیں بلکہ حدیثِ غریب یعنی جسکا راوی کسی طبقے میں ایک ہو وہ بھی صحیح ہوسکتی ہے اگر اسمیں صحت کے شرائط پائے جائیں۔

۳- غریب:

هُوَ الْحَدِيْثُ الَّذِی تَفَرَّدَ بِرِوَايَتِهٖ رَاوٍ وَاحِدٌ فِیْ مَوْضِعٍ مِنَ السَّنَدِ

وہ خبرِ واحد جسکا راوی ضرور کسی ایک طبقے میں ایک ہو پھر خواہ ہر طبقے میں ایک ہی ہو یا کسی طبقے میں زائد بھی ہو گئے ہوں۔

مثال:

اَلْوَلَاءُ لُحْمَةٌ كَلُحْمَةِ النَّسَبِ لَا يُبَاعُ وَلَا يُوْهَبُ وَلَا يُوْرَثُ

(ولاء بھی نسبی قرابت کی طرح ایک قرابت ہے، جو نہ بیچی جاسکتی ہے ،نہ ہبہ کی جاسکتی ہے اور نہ میراث میں دی جاسکتی ہے)

وضاحت:

اس حدیث کوعبداللہ بن عمرؓ سے صرف عبداللہ بن دینارؒ مشہور تابعی روایت کرتے ہیں تو چونکہ یہاں تابعی متفرد ہے اسلئے یہ حدیث غریب ہے۔

حدیثِ غریب کی غرابت کے اعتبار سے دو قسمیں ہیں:

۱-فردِ مطلق ۲-فردِ نسبی

فردِ مطلق:

مَا يَتَفَرَّدُ بِرِوَايَتِهٖ رَاوٍ وَاحِدٌ فِيْ أَصْلِ سَنَدِهٖ أَيْ فِي طَبَقَةِ التَّابِعِيِّ

وہ حدیثِ غریب جسکا راوی ضرور اصلِ سند یعنی طبقۂ تابعی میں ایک ہو پھر خواہ ہر طبقے میں ایک ہو یا کسی طبقے میں زائد بھی ہو گئے ہوں۔

وضاحت:

فردِ مطلق اس حدیثِ غریب کو کہتے ہیں جسکو صحابی سے صرف ایک تابعی روایت کرے، اب خواہ تابعی سے نیچے کے طبقات میں بھی اسکا راوی ایک ہی رہے یا نیچے کے طبقات میں اسکے راوی بڑھ جائیں۔

مثال:

اَلْوَلَاءُ لُحْمَةٌ كَلُحْمَةِ النَّسَبِ لَا يُبَاعُ وَلَا يُوْهَبُ وَلَا يُوْرَثُ

(ولاء بھی نسبی قرابت کی طرح ایک قرابت ہے، جو نہ بیچی جا سکتی ہے، نہ ہبہ کی جاسکتی ہے اور نہ میراث میں دی جاسکتی ہے)

وضاحت:

اس حدیث کوعبداللہ بن عمرؓ سے صرف عبداللہ بن دینارؒ مشہور تابعی روایت کرتے ہیں تو چونکہ یہاں تابعی متفرد ہے اسلئے اصل سند میں غرابت ہوئی اسلئے یہ حدیث فردِ مطلق ہے۔

غریبِ نسبی:

مَا يَرْوِيْهِ أَكْثَرُ مِنْ رَاوٍ فِيْ أَصْلِ سَنَدِهٖ ثُمَّ يَتَفَرَّدُ بِرِوَايَتِهٖ رَاوٍ وَاحِدٌ بَعْدَهٗ

وہ حدیثِ غریب جسکے راوی اصلِ سند میں ایک سے زائد ہوں پھر بعد میں اسکا راوی کسی طبقے میں ایک رہ جائے۔

مثال:

عَنْ مَالِكٍ عَنِ الزُّهْرِی عَنْ أَنَسٍ :أَنَّ النَّبِیَّ دَخَلَ مَكَّةَ وَعَلٰی رَأْسِهٖ الْمِغْفَرُ

(مالکؒ زہریؒ سے اور وہ انسؓ سے روایت کرتے ہیں: کہ نبی ﷺ مکہ میں داخل ہوئے اس حال میں کہ آپ کے سر پر خود تھا)

وضاحت:

امام زہریؒ تو اسے حضرت انسؓ سے نقل کرنے میں متفرد نہیں ہیں اسلئے اصل سند میں تو غرابت نہیں ہے لیکن چونکہ مالکؒ، امام زہری سے روایت کرنے میں تنہا ہیں اسلئے اسمیں غرابت ہے اور یہ حدیث، غریبِ نسبی ہے۔

حدیثِ غریب کی سند و متن کی غرابت کے اعتبار سے دو قسمیں ہیں:

۱-غریبِ متنی و اسنادی ۲-غریبِ اسنادی

۱-غریبِ متنی و إسنادی

هُوَ الْحَدِيْثُ الَّذِیْ تَفَرَّدَ بِرِوَايَةِ مَتَنِهٖ رَاوٍ وَاحِدٌ

وہ حدیثِ غریب جسکا متن صرف ایک راوی سے منقول ہو

وضاحت:

اسکا متن چونکہ ایک ہی سند سے منقول ہوتا ہے اسلئے وہ غریب ہے، اور سند بھی چونکہ ایک ہی ہے اسلئے وہ بھی غریب ہے، اس لئے یہ غریبِ متنی و اسنادی ہے۔

غریبِ اسنادی:

حَدِيْثٌ رَوىٰ مَتَنَهُ جَمَاعَةٌ مِنَ الصَّحَابَةِ وَانْفَرَدَ وَاحِدٌ بِرِوَايَتِهِ عَنْ صَحَابِيٍّ آخَرَ
وہ حدیثِ غریب جسکا متن صحابہ کی ایک جماعت سے منقول ہو پھر کوئی شخص کسی دوسرے صحابی سے روایت کرنے میں تنہا ہو جائے۔

وضاحت:

اسکا متن چونکہ صحابہ کی ایک جماعت سے منقول ہوتا ہے اسلئے غریب نہیں ہے، لیکن چونکہ دوسرے صحابی سے اسکا راوی تنہا نقل کررہا ہے اسلئے اسکی سند غریب ہے، اسی لئے یہ غریبِ اسنادی ہے۔

حکم:

حدیثِ غریب (چاہے فردِ مطلق ہو یا نسبی، غریبِ متنی و اسنادی ہو یا غریبِ اسنادی) میں اگر صحت کے شرائط پائے جائیں تو ''صحیح'' کہلائیگی، اور اگر اسمیں حُسن کے شرائط پائے جائیں گے تو ''حَسن'' کہلائیگی، اور اگر اسمیں نہ صحت کے شرائط ہوں اور نہ حُسن کے تو ''ضعیف'' کہلائیگی، اور اگر رسول اللہ سے اسکا ثبوت ہی نہ ہو تو ''موضوع'' کہلائیگی

فائدہ:

لفظِ ''غریب'' اور لفظِ ''فرد'' دونوں مترادف ہیں لیکن استعمال میں فرق ہے۔ فرد کا اطلاق اکثر ''فردِ مطلق'' پر اور غریب کا اطلاق اکثر ''فردِ نسبی'' پر کرتے ہیں۔ لیکن یہ فرق صرف لفظِ غریب اور لفظِ فرد میں ہے جو کہ اسماء ہیں نہ کہ انکے مشتقات (تفَرَّدَ بِہٖ اور أغْرَبَ فِیْہ) میں بلکہ وہ دونوں کے لئے استعمال ہوتے ہیں

نوٹ:

اگر مشہورِ اصطلاحی صحیح ہو تو وہ ''صحیح غریب'' اور ''صحیح عزیز'' سے راجح ہو جائیگی، اسلئے کہ اسکے رواۃ زیادہ ہیں، یہی اسکی نمایاں فضیلت ہے۔ لیکن چونکہ مشہورِ غیر اصطلاحی کے لئے ''رواۃ کا کم از کم تین ہونا'' شرط نہیں ہے بلکہ کبھی اسکے رواۃ ایک سے زائد ہوتے ہیں اور کبھی

اسکا راوی ایک ہوتا ہے اور کبھی ایک بھی نہیں ہوتا، اسلئے اگر وہ صحیح بھی ہو تب بھی صحیح عزیز اور صحیح غریب سے مطلقاً راجح نہیں ہوگی بلکہ اُس صورت میں اِن سے راجح ہوگی جب اُسکے روات اِنکے روات سے زیادہ ہوں یا کسی اور وجہ اسے قوت حاصل ہوگئی ہو۔

تمہید:

پھر متواتر چونکہ علمِ یقینی بدیہی کا فائدہ دیتی ہے اسلئے وہ مردود نہیں ہوتی، صرف مقبول ہی ہوتی ہے، بخلاف اخبارِ آحاد کے کہ وہ مقبول بھی ہوتی ہیں اور مردود بھی، اسلئے انکا واجب العمل ہونا راویوں کے حالات پر مبنی ہے:

۱-اگر خبرِ واحد کے راویوں میں قبولیت کے اوصاف موجود ہوں تو چونکہ اسکی صداقت کا غالب گمان ہوتا ہے اسلئے مقبول سمجھی جائیگی۔

۲-اور اگر اسکے راویوں میں رد کے صفات موجود ہوں تو چونکہ اسکے جھوٹا ہونے کا غالب گمان ہے اسلئے مردود سمجھی جائیگی۔

۳-اور اگر اسکے راویوں میں نہ قبولیت کے اوصاف موجود ہیں اور نہ ہی رد کے مگر قبولیت کا قرینہ موجود ہے تو مقبول سمجھی جائیگی اور رد کا قرینہ موجود ہے تو مردود سمجھی جائیگی۔

۴-اور اگر اسکے راویوں میں نہ تو رد و قبولیت کے اوصاف موجود ہیں اور نہ ہی قرائن، تو اسمیں توقف کیا جائیگا اور یہ بھی مردود ہوگی مگر اس وجہ سے نہیں کہ اسمیں رد کے اوصاف موجود ہیں بلکہ اس وجہ سے کہ اسمیں قبولیت کے اوصاف موجود نہیں ہے۔

قابلِ استدلال ہونے یا نہ ہونے کے اعتبار سے خبرِ واحد کے اقسام

ماقبل کی تمہید کا حاصل یہ ہے کہ ہر خبر قابلِ استدلال نہیں ہوتی بلکہ بعض اخبار سے استدلال کیا جاسکتا ہے اور بعض میں یہ صلاحیت نہیں ہوتی لہذا اس اعتبار سے خبرِ واحد کی اقسام یہ ہیں:

۱-خبرِ مقبول　　　　　　۲-خبرِ مردود

خبرِ مقبول:

وَهُوَ مَا تَرَجَّحَ صِدْقُ الْمُخْبِرِ بِهٖ

وہ خبرِ واحد جسکے مخبر کا صدق راجح ہو

مثال:

عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ جُبَيْرِ بْنِ مُطْعِمٍ عَنْ أَبِيْهِ قَالَ :سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ قَرَأَ فِيْ الْمَغْرِبِ بِالطُّوْرِ

(محمد بن جبیر بن مطعم سے مروی ہے وہ اپنے والد سے نقل کرتے ہیں کہ انکے والد نے کہا کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو سنا کہ آپ نے مغرب میں سورۂ طور تلاوت فرمائی)

(بخاری،بَابُ الْجَهْرِ فِی الْمَغْرِبِ،رقم:۷٦٥)

حکم:

خبرِ مقبول قابلِ استدلال ہوتی ہے اوراس سے ثابت ہونے والے حکم پر عمل واجب ہوتا ہے۔

خبرِ مردود:

مَالَمْ يَتَرَجَّحْ صِدْقُ الْمُخْبِرِ بِهٖ

وہ خبرِ واحد جسکے مخبر کا صدق راجح نہ ہو

مثال:

مُحَمَّدُ بْنُ سَعِيْدٍ الشَّامِيُّ -اَلْمَصْلُوْبُ فِيْ الزَّنْدَقَةِ- فَقَدْ رَوٰى عَنْ حُمَيْدٍ عَنْ أَنَسٍ مَرْفُوْعاً"أَنَا خَاتَمُ النَّبِيِّيْنَ لَانَبِيَّ بَعْدِيْ !إِلَّا أَنْ يَشَاءَ اللّٰهُ"

(محمد بن سعید شامی - جسے زندیق ہونے کے سبب سولی دے دی گئی - اس نے حُمید سے روایت کیا ہے اور وہ حضرتِ انس رضی اللہ عنہ سے مرفوعاً نقل کرتے ہیں کہ آپ ﷺ نے فرمایا "میں آخری نبی ہوں میرے بعد کوئی نبی نہیں ہوگا! مگر جسے اللہ تعالیٰ نبی بنانا چاہیں)

حکم:

خبرِ مردود قابلِ استدلال نہیں ہوتی لہذا اسے بطورِ حجت پیش نہیں کیا جا سکتا۔

تنبیہ:

کوئی بھی حدیث فی نفسہٖ مردود نہیں ہوتی، لیکن اگر اسکا راوی غیر معتبر ہو تو چونکہ اس وقت یہ معلوم ہو جاتا ہے کہ یہ آپ ﷺ کا کلام نہیں ہے تو اس وقت اسے مردود کہا جاتا ہے۔

راویوں کی صفات میں فرقِ مراتب کے اعتبار سے خبرِ واحد مقبول کی اقسام

خبرِ واحد مقبول کی اولاً دو قسمیں ہیں:

۱-صحیح ۲-حسن

پھر ان میں سے ہر ایک کی دو قسمیں ہیں:

۱-لذاتہٖ ۲-لغیرہٖ

تو کل چار قسمیں ہوئیں:

۱-صحیح لذاتہٖ ۲-صحیح لغیرہٖ ۳-حسن لذاتہٖ ۴-حسن لغیرہٖ

صحیح لذاتہ:

مَا اتَّصَلَ سَنَدُهُ بِنَقْلِ عَدْلٍ تَامِّ الضَّبْطِ عَنْ مِثْلِهٖ إِلٰى مُنْتَهَاهُ مِنْ غَيْرِ شُذُوْذٍ وَلَا عِلَّةٍ

وہ خبرِ واحد مقبول جسکی سند متصل ہو، اول تا آخر تمام راوی عادل کامل الضبط ہوں اور اس حدیث میں علتِ قادحہ اور شذوذ نہ ہو۔

وضاحت:

جس حدیث میں پانچ باتیں پائی جائیں اسکو ''صحیح لذاتہٖ'' کہتے ہیں۔

۱-اس حدیث کی سند متصل ہو یعنی سند کی ابتداء سے انتہاء تک ہر راوی نے دوسرے راوی سے بلاواسطہ حدیث حاصل کی ہو اور سند سے کوئی راوی چھوٹا ہوا نہ ہو۔

۲-اسکے تمام راوی عادل ہوں یعنی اسکا ہر راوی مسلمان، عاقل ہو اور فاسق نہ ہو اور نہ ہی مروت سے محروم ہو۔

نوٹ:

مروت کا مطلب یہ ہے کہ آدمی میں وہ گھٹیا عادتیں نہ ہوں جو اسکی قدر کم کردیں اور کم ہمتی پر دلالت کریں مثلاً راستے میں پیشاب کرنا، ہر وقت ہنسی مذاق کرنا، چلتے پھرتے کھانا۔

۳-اسکے تمام راوی کامل الضبط ہوں یعنی وہ حدیث کو کامل طور پر محفوظ رکھتے ہوں

ضبط کی دو قسمیں ہیں: ۱-ضبطِ قلبی ۲-ضبطِ کتابی

۱-ضبطِ قلبی:

یہ ہے کہ حدیثِ مسموع کو اس قدر دلنشیں کیا جائے کہ جب چاہے اسے بغیر رکاوٹ کے بیان کرسکے۔

۲-ضبطِ کتابی:

یہ ہے کہ خوب اچھی طرح لکھ لینے، تصحیح کر لینے اور مشتبہ کلمات پر اعراب لگا لینے کے بعد اس حدیث کو اپنی خاص حفاظت میں رکھے۔

تنبیہ:

صحیح لذاتہٖ کے راوی میں دونوں طرح کے ضبط کا پایا جانا شرط نہیں ہے بلکہ کوئی ایک بھی پایا جائے تو کافی ہے۔

۴-وہ حدیث معلل نہ ہو یعنی اسمیں کوئی علتِ خفیہ قادحہ نہ ہو۔

نوٹ:

علتِ خَفِیہ قادحہ سے مراد یہ ہے کہ حدیث بظاہر صحیح سالم ہومگر اس میں کوئی ایسی پوشیدہ کمزوری اور عیب ہو جو صحت میں خلل انداز ہو، اور اسے ماہرِ فن ہی جان سکتا ہو۔

۵- وہ حدیث شاذ نہ ہو، شاذ کا مطلب یہ ہے کہ اسکا راوی ثقہ تو ہو مگر اسکی روایت اوثق کے خلاف ہو۔

حاصلِ کلام:

یہ ہے کہ جس حدیث میں یہ پانچوں شرطیں پائی جائیں گی وہ ''صحیح لذاتہٖ'' کہلائیگی اور اگر ان میں سے ایک بھی شرط مفقود ہو گی تو وہ صحیح لذاتہٖ نہیں ہو گی۔

مثال:

عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ جُبَیْرِ بْنِ مُطْعِمٍ عَنْ أَبِیْهِ قَالَ :سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ قَرَأَ فِی الْمَغْرِبِ بِالطُّوْرِ

(محمد بن جبیر بن مطعم سے مروی ہے وہ اپنے والد سے نقل کرتے ہیں کہ انکے والد نے کہا کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو سنا کہ آپ نے مغرب میں سورۂ طور تلاوت فرمائی)

(بخاری، بَابُ الْجَهْرِ فِی الْمَغْرِبِ، رقم:۷٦۵)

حکم:

محدثین، معتمد اصولیین اور فقہاء کا اس پر اتفاق ہے کہ حدیثِ صحیح لذاتہٖ پر عمل کرنا واجب ہے، اس سے صرفِ نظر کی گنجائش نہیں ہے۔

سب صحیح لذاتہٖ حدیثیں ایک درجہ کی نہیں ہیں

صحیح لذاتہٖ کے تمام راویوں کا اگرچہ عادل اور کامل الضبط ہونا ضروری ہے مگر پھر عادل اور کامل الضبط ہونے میں بھی اسکے راویوں کے درجات مختلف ہیں کوئی اعلی درجہ کا عادل اور کامل الضبط ہے اور کوئی اس سے کچھ کم درجہ کا عادل اور کامل الضبط ہے تو جو اعلی درجہ کا عادل اور کامل الضبط ہے اسکی حدیث اعلی درجہ کی صحیح لذاتہٖ ہو گی اور جو اس سے کچھ

کم درجہ کا عادل اور کامل الضبط ہے اسکی صحیح لذاتہٖ کا درجہ کچھ کم ہو جائیگا۔

جو صحیح احادیث بخاری اور مسلم دونوں میں ہیں ان کا درجہ سب سے اونچا ہے:

کیونکہ صحت کے شرائط ان میں اعلیٰ و اکمل ہیں۔

پھر ان صحیح احادیث کا درجہ ہے جو صرف بخاری شریف میں ہیں:

کیونکہ بخاری شریف کی احادیث کے راویوں میں وصفِ "عدالت اور کمالِ ضبط" دوسری کتابوں کی احادیث کے راویوں سے زائد ہیں۔

پھر مسلم شریف کی صحیح احادیث کا درجہ ہے

کیونکہ اسکی احادیث کے راویوں کے اوصاف اگرچہ بخاری شریف کی احادیث کے راویوں کے اوصاف سے کمتر ہیں مگر دوسری کتابوں کی احادیث کے راویوں کے اوصاف سے برتر ہیں۔

پھر شیخین کی شرط کا درجہ ہے

یعنی چوتھے درجہ میں کوئی کتاب نہیں ہے بلکہ وہ صحیح حدیثیں ہیں جو شیخین (بخاری و مسلم) کی شرائط کے مطابق ہیں، خواہ وہ احادیث کسی بھی کتاب کی ہوں۔

نوٹ:

شیخینؒ کی شرائط سے مراد یہ ہے کہ حدیث کے تمام راوی وہ ہوں جن سے بخاری شریف اور مسلم شریف میں روایت لی گئی ہے، نیز صحیحین میں حدیث لینے کے لئے جو دیگر شرائط شیخینؒ کے نزدیک ضروری ہیں وہ بھی اس حدیث میں پائی جاتی ہوں مثلاً امام بخاریؒ کے نزدیک لقاء (ملاقات) کی شرط، اور اس بات کی شرط کہ حدیث کی سند میں اختلاف نہ ہو وغیرہ۔

پھر بخاریؒ کی شرط کا درجہ ہے

پانچواں درجہ ان صحیح احادیث کو حاصل ہے جو صرف امام بخاری کی شرط کے مطابق ہیں۔

نوٹ:

امام بخاریؒ کی شرط سے مراد یہ ہے کہ حدیث کے تمام راوی وہ ہوں جن سے بخاری شریف میں روایت لی گئی ہے، نیز صحیح بخاری میں حدیث لینے کے لئے جو دیگر شرائط امام بخاریؒ کے نزدیک ضروری ہیں وہ بھی اس حدیث میں پائی جاتی ہوں مثلاً امام بخاریؒ کے نزدیک لقاء (ملاقات) کی شرط، اور اس بات کی شرط کہ حدیث کی سند میں اختلاف نہ ہو وغیرہ۔

پھر مسلمؒ کی شرط کا درجہ ہے

چھٹا درجہ ان صحیح احادیث کو حاصل ہے جو صرف امام مسلم کی شرط کے مطابق ہیں۔

نوٹ:

امام مسلمؒ کی شرط سے مراد یہ ہے کہ حدیث کے تمام راوی وہ ہوں جن سے مسلم شریف میں روایت لی گئی ہے، نیز صحیح مسلم میں حدیث لینے کے لئے جو دیگر شرائط امام مسلمؒ کے نزدیک ضروری ہیں وہ بھی اس حدیث میں پائی جاتی ہوں مثلاً امام مسلمؒ کے نزدیک راوی اور مروی عنہ کے درمیان معاصرت کی شرط وغیرہ۔

پھر ان صحیح احادیث کا درجہ ہے جو کسی کی شرط پر نہیں:

ساتواں درجہ ان صحیح احادیث کا ہے جو شیخین میں سے کسی کی شرط پر نہیں ہیں لیکن انکے راوی عادل کامل الضبط ہیں۔

تنبیہ:

احادیث کے یہ مختلف مراتب اور درجات جو میں نے اوپر ذکر کئے ہیں عمومیت اور اکثریت کے اعتبار سے ہیں یعنی اکثر احادیث کا مرتبہ ترتیبِ مذکور ہی کے موافق ہے یعنی مذکورہ ترتیب میں جو احادیث جس درجہ میں آئینگی وہ ہی ان احادیث کا مرتبہ ہوگا لیکن کبھی

اسکے خلاف بھی ہوتا ہے مثلاً اگر کوئی حدیث نچلے درجہ میں آتی ہے لیکن اسکے ساتھ دوسری ایسی وجوہِ ترجیح ہیں جو اسے اوپر کے درجہ کی دوسری احادیث پر فائق بنادیتی ہے تو وہ ان پر فائق ہوجائیگی۔

فائدہ:

۱- محدثین جب کسی حدیث کے بارے میں کہتے ہیں کہ ''هَذَا حَدِيْثٌ صَحِيْحٌ'' تو اسکا مطلب یہ ہے کہ اس حدیث میں مذکورہ بالا پانچوں شرطیں موجود ہیں اسلئے غالب گمان یہی ہے کہ یہ واقع اور حقیقت میں بھی صحیح ہے لیکن اسکا مطلب ہرگز یہ نہیں ہے کہ یہ واقع اور حقیقت میں یقینی طور پر صحیح ہے کیونکہ ثقہ آدمی بھی غلطی اور بھول کرسکتا ہے۔

۲- محدثین جب کسی حدیث کے بارے میں کہتے ہیں کہ ''هَذَا حَدِيْثٌ غَيْرُ صَحِيْحٍ'' تو اسکا مطلب یہ ہے کہ اس حدیث میں مذکورہ بالا پانچوں شرطیں موجود نہیں ہیں اسلئے غالب گمان یہی ہے کہ یہ واقع اور حقیقت میں بھی صحیح نہیں ہے لیکن اسکا مطلب ہرگز یہ نہیں ہے کہ یہ واقع اور حقیقت میں یقینی طور پر صحیح نہیں ہے کیونکہ غیر ثقہ آدمی کے بھی درست بولنے کا امکان ہے۔

کیا کوئی سند مطلقاً اصح الاسانید ہے؟

مختار مذہب یہ ہے کہ کسی سند کے بارے میں یہ نہیں کہا جاسکتا کہ یہ مطلقاً سب سے صحیح سند ہے یعنی تمام سندوں میں سب سے بہتر سند ہے، ہاں یہ کہا جاسکتا ہے کہ یہ فلاں باب یا فلاں مسئلہ کی احادیث کی سندوں میں سب سے صحیح سند ہے۔

اسی وجہ سے ائمہ کا بعض اسانید کو مطلقاً اصح الاسانید کہنا مرجوح اور غیر مختار مذہب ہے، مگر پھر بھی ان اسانید کو جنہیں ائمہ نے اصح الاسانید کہا ہے ان اسانید پر ترجیح حاصل ہوگی جنہیں انہوں نے اصح الاسانید نہیں کہا ہے کیونکہ ان کے رواۃ اعلی درجہ کے عادل اور کامل الضبط ہیں۔

بخاری ومسلم میں کون سی کتاب زیادہ صحیح ہے؟

اِن دونوں میں زیادہ صحیح اور زیادہ فوائد والی ''بخاری شریف'' ہے اسلئے کہ بخاری کی احادیث کی اسانید پوری طرح متصل ہیں اور اسکے راوی زیادہ ثقہ ہیں، اور اسلئے بھی کہ اسمیں وہ فقہی استنباط اور حکمت بھرے نکات ہیں جو ''صحیح مسلم'' میں نہیں ہیں۔

تنبیہ:

بخاری کی اکثر احادیث مسلم کی اکثر احادیث سے زیادہ صحیح ہیں، ایسا نہیں ہے کہ بخاری کی ہر ہر حدیث مسلم کی ہر ہر حدیث سے زیادہ صحیح ہے کیونکہ صحیح مسلم میں بعض ایسی احادیث موجود ہیں جو بخاری کی بعض احادیث سے زیادہ قوی ہیں۔

کیا صحیح بخاری ومسلم میں تمام صحیح احادیث کا استیعاب ہے؟

امام بخاری ومسلمؒ نے تمام صحیح احادیث کا احاطہ نہیں کیا ہے بلکہ صحیح احادیث کی ایک بڑی مقدار ان کی کتابوں کے علاوہ دیگر کتبِ صحاح میں موجود ہے۔

محدثینؒ کے قول ''متفق علیہ'' کا مطلب

جب محدثینؒ کسی حدیث کے بارے میں ''متفق علیہ'' کہتے ہیں تو اسکا مطلب یہ ہے کہ شیخینؒ کا اس حدیث کے صحیح ہونے پر اتفاق ہے نہ کہ پوری امت کا، مگر ابنِ صلاح کہتے ہیں کہ شیخین کے کسی حدیث کی صحت پر اتفاق کر لینے سے پوری امت کا اس پر اتفاق لازم آتا ہے کیونکہ امت نے انکی کتابوں کو شرفِ قبولیت سے نوازا ہے۔

حسن لذاتہ:

هُوَ الصَّحِيْحُ لِذَاتِهٖ إِذَا خَفَّ ضَبْطُ رَاوِيْهِ

وہ خبرِ واحد مقبول جسکے راوی میں صحیح لذاتہ کے راوی سے ضبط کم درجہ کا ہو، باقی وہ سبھی شرائط موجود ہوں جو صحیح لذاتہ کے ہیں۔

وضاحت:

حسن لذاتہٖ کے راوی کی یادداشت صحیح لذاتہٖ کے راوی سے کم درجہ ہوتی ہے لیکن بہت زیادہ کم نہیں ہوتی، باقی صحیح لذاتہٖ کی چاروں شرطیں (راوی کا عادل ہونا، سند کا متصل ہونا، سند کا علتِ خفیہ سے خالی ہونا، اور روایت کا شاذ نہ ہونا) اسمیں پائی جاتی ہیں۔

تنبیہ:

کوئی حدیث ''حسن لذاتہٖ'' اس وقت ہوگی جب اس کے راوی میں جو ضبط کی کمی ہے وہ کسی ذریعہ مثلاً کثرتِ طرق وغیرہ سے پوری نہ ہوتی ہو کیونکہ اگر یہ کمی کسی اور ذریعہ سے پوری ہوجاتی ہے تو حدیث ''صحیح لغیرہٖ'' بن جائیگی، حسن لذاتہٖ نہ رہے گی۔

مثال:

حَـدَّثَنَا قُتَيْبَةُ حَدَّثَنَا جَعْفَرُ بْنُ سُلَيْمَانَ الضَّبْعِي عَنْ أَبِيْ عِمْرَانَ الْجَوْنِي عَنْ أَبِـيْ بَـكْـرِ بْـنِ أَبِـيْ مُوْسَى الْأَشْعَرِيِّ قَالَ: سَمِعْتُ أَبِيْ بِحَضْرَةِ الْعَدُوِّ يَقُوْلُ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ "إِنَّ أَبْوَابَ الْجَنَّةِ تَحْتَ ظِلَالِ السُّيُوْفِ"

(حضرتِ قتیبہؒ سندِ مذکور کے ساتھ حضرت ابو موسی اشعریؓ سے نقل کرتے ہیں انہوں نے کہا کہ میں نے دشمن کی موجودگی میں اپنے والد صاحبؓ کو یہ کہتے ہوئے سنا کہ رسول اللہؐ نے فرمایا ''بے شک جنت کے دروازے تلواروں کے سائے تلے ہیں'')

(ترمذی، بَابُ مَا ذُكِرَ أَنَّ أَبْوَابَ الْجَنَّةِ تَحْتَ ظِلَالِ السُّيُوْفِ، رقم:۱٦٥٩)

وضاحت:

یہ حدیث ''حسن لذاتہٖ'' ہے کیونکہ اسکی سند کے تمام رجال عادل اور کامل الضبط ہیں سوائے جعفر بن سلیمان ضبعیؒ کے کیونکہ انکے ضبط میں کچھ کمی ہے، اور یہ کمی کسی اور ذریعہ سے پوری نہ ہوسکی کیونکہ اگر یہ کمی کسی اور ذریعہ سے پوری ہوجاتی تو حدیث ''صحیح لغیرہٖ'' بن جاتی، حسن لذاتہٖ نہ رہتی۔

حکم:

حسن لذاتہٖ قوت میں صحیح سے کمتر ہے مگر شرعاً حجت ودلیل اورواجب العمل ہونے میں صحیح کے مانند ہے۔

حسن لذاتہٖ کے مراتب:

اگرحسن لذاتہٖ کے راوی کا ضبط صحیح لذاتہٖ کے راوی کے ضبط سے اقرب ہے تو وہ اعلی درجہ کی حسن لذاتہٖ ہے، اوراگراس کے راوی کا ضبط صحیح لذاتہٖ کے راوی کے ضبط سے قریب ہے اس کا مرتبہ اول درجہ کی حسن لذاتہٖ سے کچھ کم ہو جائیگا، اوراگراس کے راوی کا ضبط صحیح لذاتہٖ کے راوی کے ضبط سے بعید ہے تو اسکا مرتبہ ثانی درجہ کی حسن لذاتہٖ سے کچھ کم ہوجائیگا، علی ہذالقیاس۔

محدثین کے قول "هٰذَا حَدِيْثٌ صَحِيْحُ الإِسْنَادِ" کامرتبہ:

انکے قول "هٰذَا حَدِيْثٌ صَحِيْحٌ" سے کم ہے کیونکہ اس دوسرے قول میں قائل متن اورسند دونوں کی صحت کا ضامن ہوا ہے یعنی وہ اس بات کا ضامن ہوا ہے کہ سند کی صحت سے متعلق جو تین شرطیں (سند کا متصل ہونا، راویوں کا عادل ہونا، اورانکا ضابط ہونا) ہیں وہ بھی موجود ہیں اور متن کی صحت سے متعلق جو دوشرطیں (علت کا نہ ہونا اور شذوذ کا نہ ہونا) ہیں وہ بھی موجود ہیں لیکن پہلے قول میں وہ صرف سند کی صحت کا ضامن ہوا ہے۔

لیکن اگرکوئی معتمد حافظ اس قول "هٰذَا حَدِيْثٌ صَحِيْحُ الإِسْنَادِ" پراکتفاء کرے اورمتن میں کوئی نقص مثلاً علت وشذوذ وغیرہ ذکر نہ کرے، تو یہی سمجھا جائیگا کہ متن بھی صحیح ہے کیونکہ ظاہر یہی ہے کہ وہ علت وشذوذ سے پاک ہو۔

محدثین کے قول "هٰذَا حَدِيْثٌ حَسَنُ الإِسْنَادِ" کامرتبہ:

انکے قول ''ھٰذَا حَدِیْثٌ حَسَنٌ'' سے کم ہے کیونکہ اس دوسرے قول میں قائل متن اور سند دونوں کے حُسن کا ضامن ہوا ہے لیکن پہلے قول میں وہ صرف سند کے حُسن کا ضامن ہوا ہے۔

تنبیہ:

۱-محدثین جب کسی حدیث کے بارے میں کہتے ہیں کہ ''ھٰذَا حَدِیْثٌ حَسَنٌ'' تو اسکا مطلب یہ ہے کہ اس حدیث میں حُسن کی سبھی شرطیں موجود ہیں اسلئے غالب گمان یہی ہے کہ یہ واقع اور حقیقت میں بھی حَسن ہے لیکن اسکا مطلب ہرگز یہ نہیں ہے کہ یہ واقع اور حقیقت میں یقینی طور پر حَسن ہے کیونکہ ثقہ آدمی بھی غلطی اور بھول کرسکتا ہے۔

۲-محدثین جب کسی حدیث کے بارے میں کہتے ہیں کہ ''ھٰذَا حَدِیْثٌ غَیْرُحَسَنٍ'' تو اسکا مطلب یہ ہے کہ اس حدیث میں حُسن کی سبھی شرطیں موجود نہیں ہیں اسلئے غالب گمان یہی ہے کہ یہ واقع اور حقیقت میں بھی حسن نہیں ہے لیکن اسکا مطلب ہرگز یہ نہیں ہے کہ یہ واقع اور حقیقت میں یقینی طور پر حسن نہیں ہے کیونکہ غیر ثقہ آدمی کے بھی درست بولنے کا امکان ہے۔

ترمذی کے قول ''ھَذَا حَدِیْثٌ حَسَنٌ صَحِیْحٌ'' کا مطلب:

ترمذی کے قول ''ھٰذَا حَدِیْثٌ حَسَنٌ صَحِیْحٌ'' پر بظاہر اشکال ہوتا ہے کیونکہ ایک حدیث حَسن اور صحیح دونوں کیسے ہوسکتی ہے کیونکہ حدیث کی صحت اس بات کا تقاضہ کرتی ہے کہ اسمیں شرائطِ صحت پائی جائیں اور جب صحت کی شرطیں پائی جائیں گی تو حدیث ''صحیح'' ہوگی حَسن نہیں ہوگی کیونکہ حدیث، حَسن اس وقت ہوتی ہے جب شرائطِ صحت میں سے ایک شرط (کمالِ ضبط) میں کمی ہوجائے۔

جواب یہ ہے کہ امام ترمذیؒ کے نزدیک حدیثِ حَسن وہ ہے ''جسکی سند میں کوئی ایسا راوی نہ ہو جس پر کذب کی تہمت ہو اور نہ وہ حدیث شاذ ہو اور وہ متعدد سندوں سے مروی ہو'' یعنی انکے نزدیک حدیث کے حَسن ہونے کے لئے ''راوی کے ضبط میں کمی کا ہونا''

شرط نہیں ہے جیسا کہ جمہور کے نزدیک حدیث کے حسن ہونے کے لئے ''راوی کے ضبط میں کمی کا ہونا'' شرط ہے اسلئے جمہور کے نزدیک تو حَسن، صحیح کے ساتھ جمع نہیں ہوسکتی کیونکہ ان کے نزدیک صحیح کے رواۃ کے ضبط کا کامل ہونا ضروری ہے اور حَسن کے رواۃ کے ضبط کا ناقص ہونا شرط ہے اسلئے دونوں جمع نہیں ہوسکتی ،لیکن امام ترمذیؒ کے نزدیک حدیث کے حَسن ہونے کے لئے ''راوی کے ضبط میں کمی کا ہونا'' شرط نہیں ہے بلکہ اگر ضبط کامل ہے تب بھی انکے نزدیک حدیث حَسن ہوتی ہے اور اگر ضبط ناقص ہے تب بھی انکے نزدیک حدیث حَسن ہوتی ہے اگر مذکورہ بالا تین شرطیں یعنی ''راوی پر کذب کی تہمت کا نہ ہونا، حدیث کا شاذ نہ ہونا اور حدیث کا متعدد سندوں سے مروی ہونا'' پائی جائیں، اسلئے انکے نزدیک جو حدیث صحیح ہوتی ہے وہ حَسن بھی ہوتی ہے کیونکہ انکے نزدیک ضبطِ کامل کی صورت میں حدیثِ حسن کا بھی تحقق ہوجاتا ہے جس طرح ضبطِ کامل کی صورت میں حدیثِ صحیح کا تحقق ہوتا ہے ہاں البتہ ضبطِ ناقص کی صورت میں وہ جمہور کے موافق ہیں کیونکہ ضبطِ ناقص کی صورت میں انکے نزدیک بھی صرف حَسن کا تحقق ہوتا ہے صحیح کا تحقق نہیں ہوتا کیونکہ صحیح کا تحقق اسی وقت ہوتا ہے جب رواۃ کا ضبط کامل ہو۔

تنبیہ خاص:

اس موقع پر امام ترمذیؒ کی طرف سے اور بھی جواب دئے گئے ہیں جو نخبہ وغیرہ دیگر کتبِ اصول میں مذکور ہیں، لیکن ان سب میں نظر ہے یہ مذکور جواب سب سے معتمد اور صحیح ہے، اسی کی صراحت مفتی تقی عثمانی نے ''درسِ ترمذی'' میں کی ہے۔

''اَلْمَصَابِیْح'' میں حَسن اور صحیح سے امام بغویؒ کی مراد:

امام بغویؒ اپنی کتاب ''المصابیح'' میں صحیحین کی احادیث کی طرف اپنے قول ''صَحِیْحٌ'' سے اشارہ کرتے ہیں، اور سننِ اربعہ (ابوداؤد، ترمذی، نسائی اور ابنِ ماجہ) کی احادیث کی طرف اپنے قول ''حَسَنٌ'' کے ذریعہ اشارہ کرتے ہیں، وہاں صحیح اور حسن

اُنکی خاص اصطلاح ہیں جو اُنہوں نے صحیحین اور سننِ اربعہ کی احادیث کی طرف اشارہ کرنے کے لئے وضع کی ہے، ان سے وہ صحیح اور حسن مراد نہیں جو جمہور کے بزدیک صحیح اور حسن ہیں کیونکہ اگران سے جمہور والے صحیح اور حسن مراد لے لئے جائیں تو اس صورت میں لازم آئیگا کہ اس کتاب میں سننِ اربعہ کی جو احادیث مذکور ہیں وہ سب حسن ہوں حالانکہ ایسا نہیں ہے بلکہ انمیں سے بعض صحیح ہیں اور بعض حسن ہیں اور بعض ضعیف ہیں اور بعض منکر ہیں۔

صحیح لغیرہ:

هُوَالْحَسَنُ لِذَاتِهِ إِذَا رُوِيَ مِنْ طَرِيْقٍ آخَرَ مِثْلِهِ أَوْ أَقْوٰى مِنْهُ

وہ حدیث جسکے راویوں میں صحیح لذاتہٖ کی تمام شرائط پائی جائیں مگر ضبط میں کچھ کمی ہو ،لیکن تعدد طرق سے یہ کمی پوری ہو جائے۔

وضاحت:

صحیح لغیرہٖ اس حدیثِ حسن لذاتہٖ کو کہا جاتا ہے جو متعدد سندوں سے منقول ہو تو چونکہ متعدد سندوں سے مروی ہونے کی وجہ سے اسکے راوی میں جو ضبط کی کمی تھی وہ پوری ہو گئی اسلئے یہ حدیث درجۂ صحت کو پہنچ گئی، لیکن چونکہ یہ فی نفسہٖ صحیح نہیں ہے بلک غیر (تعددِ طرق) کی وجہ سے صحیح ہے اسلئے اسے صحیح لذاتہٖ نہیں کہا جاتا بلکہ صحیح لغیرہٖ کہا جاتا ہے۔

مثال:

عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ عَمْرِو بْنِ أَبِيْ سَلْمَةَ عَنْ أَبِيْ هُرَيْرَةَ أَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ قَالَ "لَوْلَا أَنْ أَشُقَّ عَلٰى أُمَّتِيْ لَأَمَرْتُهُمْ بِالسِّوَاكِ عِنْدَ كُلِّ صَلٰوةٍ"

(محمد بن عَمر و سے روایت ہے وہ ابو سلمہ سے اور ابو سلمہ حضرتِ ابو ہریرہؓ سے نقل کرتے ہیں کہ رسول اللہ ؐ نے فرمایا ''اگر مجھے اپنی امت پر مشقت کا خوف نہ ہوتا تو میں انہیں ہر نماز کے لئے مسواک کرنے کا حکم دیتا'')

(ترمذی، كِتَابُ الطَّهَارَةِ ،)

وضاحت:

حافظ ابنِ صلاح ''علوم الحدیث'' میں لکھتے ہیں کہ اس حدیث کے راوی محمد بن عَمر و بن علقمہ صدق وعفت میں تو مشہور ہیں لیکن یہ اہلِ ضبط واتقان میں سے نہیں ہیں یہاں تک کہ بعض محدثین نے اِنکو اِنکے سوءِ حفظ کی وجہ سے ضعیف قرار دیا ہے لہذا اس اعتبار سے انکی یہ حدیث حسن ہے، لیکن اس حدیث کے ایک اور سند سے مروی ہونے کی وجہ سے وہ خدشہ دور ہو گیا جو کہ راوی میں سوءِ حفظ کی وجہ سے پیدا ہوا تھا تو یہ حدیث ''صحیح لغیرہٖ'' کے مرتبہ کو پہنچ گئی۔

حکم:

حسن لذاتہٖ سے اوپر اور صحیح لذاتہٖ سے کمتر شمار ہوتی ہے، لہذا شرعاً حجت ودلیل ہے اور واجب العمل ہے۔

حسن لغیرہٖ:

هُوَ الضَّعِيْفُ إِذَا تَعَدَّدَتْ طُرُقُهٗ وَلَمْ يَكُنْ سَبَبُ ضُعْفِهٖ فِسْقَ الرَّاوِيْ أَوْ كَذِبَهٗ

وہ حدیثِ ضعیف جسکا ضعف تعددِ طرق کی وجہ سے ختم ہو جائے بشرطیکہ اسکا سببِ ضعف راوی کا فسق یا کذب نہ ہو۔

وضاحت:

اگر حدیثِ ضعیف متعدد سندوں سے مروی ہو تو وہ حُسن کے درجہ کو پہنچ جاتی ہے لیکن وہ حسن لغیرہٖ کہلاتی ہے حسن لذاتہٖ نہیں کہلاتی کیونکہ حُسن اسکی ذات میں نہیں ہے بلکہ غیر (تعددِ طرق) کی وجہ سے آیا ہے لیکن حدیثِ ضعیف ''تعددِ طرق'' سے بھی حسن کے درجہ کو اسی وقت پہنچ سکتی ہے جب اسکا ضعف راوی کے فسق یا کذب کی وجہ سے نہ ہو

بلکہ کسی اور وجہ سے ہو مثلاً راوی کے خفیف الضبط ہونے یا مجہول ہونے یا سند کے منقطع ہونے کی وجہ سے ہو کیونکہ اگر اسکا ضعف راوی کے فاسق ہونے یا کاذب ہونے کی وجہ سے ہوگا تو تعددِ طرق سے بھی ختم نہیں ہوگا۔

مثال:

عَنْ شُعْبَةَ عَنْ عَاصِمِ بْنِ عُبَيْدِ اللّٰهِ عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عَامِرِبْنِ رَبِيْعَةَ عَنْ أَبِيْهِ:أَنَّ امْرَأَةً مِنْ بَنِیْ فَزَارَةَ تَزَوَّجَتْ عَلیٰ نَعْلَيْنِ،فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ:أَرَضِيْتِ مِنْ نَفْسِكِ وَمَالِكِ بِنَعْلَيْنِ ؟ قَالَتْ:نَعَمْ!قَالَ :فَأَجَازَهٗ۔

(ترمذی،بَابُ مَا جَاءَ فِیْ مُهُوْرِ النِّسَاءِ،رقم: ۱۱۱۳)

(شعبہؒ مذکورہ سند سے روایت کرتے ہیں کہ بنوفزارہ کی ایک عورت نے دو جوتوں کے عوض نکاح کرلیا تو رسول اللہ ؐ نے اس عورت سے دریافت کیا کہ تم اپنے نفس اور مال کے بدلے میں دو جوتوں پر راضی ہو،اسنے عرض کیا جی ہاں !تو آپ ؐ نے اس نکاح کی اجازت دے دی۔)

وضاحت:

اس حدیث کے ایک راوی عاصم بن عبید اللہ سوءِ حفظ کی وجہ سے ضعیف ہیں لیکن چونکہ یہ حدیث متعدد طرق سے مروی ہے اس لئے حسن لغیرہٖ ہوگئی ہے۔

حکم:

حسن لذاتہٖ سے کمتر اور حدیثِ ضعیف سے برتر ہے اسی وجہ سے لائقِ استدلال و واجب العمل ہے۔اور بوقتِ تعارض حَسن لذاتہٖ کو حسن لغیرہٖ پر ترجیح دیجاتی ہے۔

نوٹ:

چونکہ حَسن لغیرہٖ کو سمجھنا حدیثِ ضعیف کے سمجھنے پر موقوف ہے لہذا ضمناً خبرِ ضعیف کو ذکر کیا جاتا ہے۔

ضعیف:

مَا لَمْ يَجْمَعْ شُرُوْطَ الْحَسَنِ لِذَاتِهٖ

وہ حدیث جسکے راویوں میں حَسن لذاتہٖ کی تمام یا بعض شرائط مفقود ہونے کی وجہ سے ضعف آ گیا ہو اور یہ ضعف ختم بھی نہ ہوا ہو۔

تنبیہ:

شرائطِ صحت کے نہ پائے جانے سے حدیث، ضعیف نہیں ہو جاتی بلکہ کبھی حسن ہوتی ہے اور کبھی ضعیف ہوتی ہے لیکن اگر شرائطِ حُسن نہ پائی جائیں تو حدیث ضعیف ہو جاتی ہے پھر اگر اسکا وہ ضعف تعددِ طرق سے ختم ہو جائے تو وہ حسن لغیرہٖ بن جاتی ہے اور اگر ختم نہ ہو تو وہ ضعیف ہی رہ جاتی ہے۔ اسلئے یہاں یہ بات سمجھ لینی چاہئے کہ حدیثِ ضعیف میں شرائطِ حُسن کا نہ پایا جانا معتبر ہے نہ کہ شرائطِ صحت کا، جیسا کہ بعض نے اسکو اختیار کیا ہے۔ دیکھئے ظفر الامانی۔

شرائطِ حُسن:

حسن لذاتہٖ کے راوی میں صحیح لذاتہٖ کی چاروں شرطیں (راوی کا عادل ہونا، سند کا متصل ہونا، سند کا علتِ خفیہ سے خالی ہونا، اور روایت کا شاذ نہ ہونا) پائی جاتی ہیں، لیکن اسکے راوی کی یادداشت صحیح لذاتہٖ کے راوی سے کم درجہ ہوتی ہے لیکن بہت زیادہ کم نہیں ہوتی۔

مثال:

مَنْ أَتىٰ حَائِضاً أَوِ امْرَأَةً فِيْ دُبُرِهَا أَوْ كَاهِناً فَقَدْ كَفَرَ بِمَا أُنْزِلَ عَلىٰ مُحَمَّدٍ

(ترمذی، بَابُ مَا جَاءَ فِيْ كَرَاهِيَةِ إِقْبَالِ الْحَائِضِ، رقم: ۱۳۵)

(جو شخص کسی عورت سے حالتِ حیض میں یا پیچھے کے راستے سے جماع کرے یا کسی

کاہن کے پاس جائے تو وہ ان احکام کا منکر ہو گیا جو محمدؐ پر نازل ہوئے)

وضاحت:

اس حدیث کی سند میں حکیم الاثر نامی راوی ضعیف ہے۔اسلئے یہ حدیث ''ضعیف '' ہے۔

حدیثِ ضعیف کی روایت کا حکم:

اگر حدیثِ ضعیف میں احکام کے فضائل مذکور ہوں یا اسکا تعلق ترغیب و ترہیب ،مواعظ و قصص وغیرہ سے ہو تو اسے ضعف کو بیان کیئے بغیر بھی روایت کیا جا سکتا ہے۔

لیکن جب حدیثِ ضعیف میں عقائد یا احکام کی حلت و حرمت کا ذکر ہو تو ضعف کو بیان کیئے بغیر اسے روایت کرنا جائز نہیں ہے۔

حدیثِ ضعیف پر عمل کا حکم:

اس سے کسی عمل کا مستحب یا مباح ہونا ثابت ہوتا ہے، نیز مواعظ و قصص، ترغیب و ترہیب اور فضائلِ اعمال میں بھی یہ مقبول ہوتی ہے، جب تین شرطیں پائی جائیں:

۱-اسکا ضعف،شدید نہ ہو۔

۲-وہ حدیث کسی معمول بہ اصل کے تحت داخل ہو۔

۳-اس پر عمل کے وقت اس کے ثبوت کا یقین نہ رکھا جائے بلکہ یہ سمجھا جائے کہ اس پر احتیاطاً عمل کر رہا ہوں۔

حدیثِ مقبول کی دوسری تقسیم

حدیثِ مقبول باہم تعارض ہونے یا نہ ہونے کے اعتبار سے سات قسم پر ہے:

اسی کو بعض حضرات نے اس طرح تعبیر کیا ہے کہ: حدیثِ مقبول کی قابلِ عمل ہونے

یا نہ ہونے کے اعتبار سے سات قسمیں ہیں:

۱-محکم ۲-مختَلَفُ الحدیث ۳-ناسخ ۴-منسوخ

۵-راجح ۶-مرجوح ۷-متوقف فیہ

تنبیہ:

احادیث میں باہم مخالفت ہرگز نہیں ہوسکتی، ہمیشہ ایک دوسری کی مؤید ہوتی ہے مگر بعض مرتبہ ہماری فہم وسمجھ کے ناقص ہونے کی وجہ سے احادیث میں تعارض نظر آتا ہے جو غور فکر اور تحقیق کے بعد دور ہو جاتا ہے۔

محکم:

هُوَ الْحَدِيْثُ الْمَقْبُوْلُ الَّذِیْ سَلِمَ مِنْ مُعَارَضَةِ مِثْلِهٖ

وہ حدیثِ مقبول جسکے مقابلے میں کوئی دوسری مقبول حدیث نہ ہو

مثال:

عَنِ ابْنِ عُمَرَؓ مَرْفُوْعاًقَالَ: لَا يَقْبَلُ اللّٰهُ صَلوٰةً بِغَيْرِ طُهُوْرٍ وَلَا صَدَقَةً مِنْ غُلُوْلٍ

(مسلم، كِتَابُ الطَّهَارَة)

(حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے مرفوعاً منقول ہے کہ رسول اللہؐ نے فرمایا: کہ اللہ بغیر وضوء کے نماز قبول نہیں کرتے اور نہ حرام مال سے صدقہ قبول کرتے ہیں)

وضاحت:

اس حدیث کے کوئی دوسری حدیث مخالف نہیں ہے اسلئے یہ حدیث معارضہ سے محفوظ ہونے کی وجہ سے محکم ہے۔

حکم:

اس پر عمل کرنا واجب ہے۔

نوٹ:

ذخیرۂ احادیث میں زیادہ تر روایات محکم ہیں۔

مختَلَفُ الحدیث:

هُوَ الْحَدِيْثُ الْمَقْبُوْلُ الْمُعَارَضُ بِمِثْلِهِ مَعَ إِمْكَانِ الْجَمْعِ بَيْنَهُمَا

وہ مقبول حدیثیں ہیں جن میں باہم تعارض ہو اور ان کو عملاً جمع کرنا ممکن ہو۔

مثال:

ایک حدیث میں فرمایا گیا: "لَا عَدْوٰى وَلَا طِيَرَةَ" کہ کوئی مرض بھی اُڑ کر نہیں لگتا اور نہ ہی بدفالی کوئی چیز ہے۔ جبکہ دوسری حدیث میں فرمایا گیا "فِرَّ مِنَ الْمَجْزُوْمِ فِرَارَكَ مِنَ الْأَسَدِ" کہ کوڑھی سے اس طرح بھاگ جس طرح تو شیر سے بھاگتا ہے۔ یہ دونوں حدیثیں صحیح ہیں بظاہر ان میں تعارض ہے کیونکہ پہلی حدیث مرض کے متعدی ہونے یعنی اُڑ کر لگنے کی نفی کرتی ہے جبکہ دوسری بظاہر اثبات کرتی ہے لیکن ان دونوں کے درمیان جمع کرنا ممکن ہے اسلئے علماء نے ان دونوں کے درمیان مختلف اعتبار سے تطبیق کی ہے جن میں سے ایک ذکر کیجاتی ہے:

وہ یہ ہے کہ درحقیقت تو مرض کسی سے دوسرے کی طرف منتقل نہیں ہوتا لیکن جو رسول اللہ نے کوڑھی کے پاس بیٹھنے سے منع کیا ہے تو یہ ایسے لوگوں کے لئے ہے جو کمزور عقیدہ والے ہیں اسلئے کہ اگر وہ کسی کوڑھی کے پاس بیٹھیں اور اتفاقاً انہیں یہ مرض اللہ کی طرف سے ہو جائے تو وہ یہی سمجھیں گے کہ ہمیں یہ مرض اس کے پاس بیٹھنے کی وجہ سے ہوا ہے اس سے انکا عقیدہ فاسد ہو جائیگا اسلئے رسول اللہ ﷺ نے سد اًللباب لوگوں کو کوڑھیوں کے پاس بیٹھنے سے روکا ہے نہ کہ مرض کے متعدی ہونے کی وجہ سے۔

حکم:

ایسی دو حدیثیں جنکے مابین تطبیق ممکن ہو دونوں پر عمل کرنا واجب ہے۔

بوقتِ تعارض کیا کیا جائے:

اگر دو حدیثیں بظاہر متعارض ہوں تو اولاً دونوں میں ''تطبیق'' دیجائیگی اگر تطبیق ممکن ہو، اور دونوں پر عمل کیا جائیگا۔ اور اگر تطبیق ممکن نہ ہو تو یہ دیکھا جائیگا کونسی حدیث مقدم ہے اور کونسی مؤخر ہے جو مقدم ہوگی اسے منسوخ قرار دیا جائیگا اور جو مؤخر ہوگی اسے ناسخ قرار دیا جائیگا اور ناسخ پر ہی عمل کیا جائیگا۔ اور اگر ''نسخ'' بھی ممکن نہ ہو یعنی دونوں حدیثوں کی تقدیم و تاخیر بھی معلوم نہ ہو سکے جسکے ذریعہ نسخ ممکن ہوتا ہے تو اس صورت میں دیکھیں گے کہ ایک حدیث کو دوسری حدیث پر'' ترجیح'' دیجا سکتی ہے یا نہیں اگر ترجیح کی کوئی صورت ہے تو ترجیح دے دی جائیگی اور راجح پر عمل کیا جائیگا اور ترجیح کی کوئی صورت نہیں ہے تو پھر دونوں حدیثوں میں ''توقف'' کیا جائیگا، اور مرجح کا انتظار کیا جائیگا۔

نسخ:

رَفْعُ الشَّارِعِ حُكْماً مِنْهُ مُتَقَدِّماً بِحُكْمٍ آخَرَ مُتَأَخِّرٍ

شارع کا اپنے کسی پہلے حکم کو اپنے بعد والے حکم سے ختم کر دینا

ناسخ:

هُوَ الْحَدِيْثُ الْمَقْبُوْلُ الْمُعَارَضُ بِمِثْلِهِ إِذَا ثَبَتَ كَوْنُهُ مُؤَخَّراً

وہ حدیثِ مقبول مؤخر جسکی معارِض اسی کے مثل مقبول حدیث ہو

مثال:

عَنْ جَابِرٍؓ قَالَ: كَانَ آخِرُ الْأَمْرَيْنِ مِنْ رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ تَرْكَ الْوُضُوْءِ مِمَّا مَسَّتِ النَّارُ

(أَبُوْدَاؤد، مسلم، كِتَابُ الطَّهَارَة)

(حضرتِ جابرؓ سے منقول ہے وہ کہتے ہیں: کہ آپؐ کا آخری عمل یہ تھا کہ آپؐ آگ پر پکی چیز کے کھانے سے وضوء نہیں کیا کرتے تھے)

منسوخ:

هُوَ الْحَدِيْثُ الْمَقْبُوْلُ الْمُعَارَضُ بِمِثْلِهِ إِذَا ثَبَتَ كَوْنُهُ مُقَدَّماً

وہ حدیثِ مقبول مقدم جسکی معارِض اسی کے مثل مقبول حدیث ہو

مثال:

عَنْ أَبِیْ هُرَیْرَةَ قَالَ :قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ :تَوَضَّؤُوْا مِمَّا مَسَّتِ النَّارُ

(رَوَاهُ مُسْلِمٌ)

(حضرتِ ابو ہریرہؓ سے منقول ہے وہ کہتے ہیں: کہ آپؐ نے فرمایا: کہ آگ پر پکی چیز کو کھا کر وضوء کیا کرو)

وضاحت:

اگر دو مقبول حدیثیں متعارض ہو جائیں اور انمیں سے ایک مقدم ہے اور دوسری مؤخر ہے تو جو مقدم ہوگی اسے منسوخ کہا جائیگا اور جو مؤخر ہوگی اسے ناسخ کہا جائیگا، جس طرح مذکورہ روایات میں وہ روایت جسمیں آپؐ کے آگ پر پکی چیز کو کھانے کے بعد وضوء کرنے کا ذکر ہے ''مقدم'' ہے اسلئے وہ منسوخ ہوگی اور وہ روایت جسمیں آپؐ کے آگ پر پکی چیز کو کھانے کے بعد وضوء نہ کرنے کا ذکر ہے ''مؤخر'' ہے اسلئے وہ ناسخ ہوگی۔

حکم:

حدیثِ ناسخ پر عمل کرنا واجب ہے اور منسوخ کو ترک کرنا واجب ہے۔

وہ چند امور جنکے ذریعہ ناسخیت ومنسوخیت کا علم ہوتا ہے:

کون سی حدیث ناسخ ہے اور کونسی منسوخ ہے اسکا پتا مندرجہ ذیل باتوں سے چلتا ہے:

۱-اگر آپؐ نسخ کی صراحت کردیں تو پتا چل جاتا ہے کہ کونسی حدیث ناسخ ہے اور کونسی منسوخ ہے مثلاً آپؐ نے ابتداءِ اسلام میں قبروں کی زیارت سے روکا تھا لیکن بعد میں فرمایا: كُنْتُ نَهَيْتُكُمْ عَنْ زِيَارَةِ الْقُبُوْرِ فَزُوْرُوْهَا فَإِنَّهَا تُذَكِّرُ الْآخِرَةَ (کہ میں نے تمہیں قبروں کی زیارت سے منع کر رکھا تھا لیکن اب تم قبروں کی زیارت کیا کرو اسلئے کہ انہیں دیکھ کر آخرت یاد آجاتی ہے) تو آپؐ کی تصریح سے پتا چل گیا کہ وہ روایت جسمیں

قبروں کی زیارت سے روکا گیا ہے ''منسوخ'' ہے اور وہ روایت جسمیں قبروں کی زیارت کی ترغیب دی گئی ہے ''ناسخ'' ہے۔

۲-اگر صحابیؓ نسخ کی صراحت کر دیں تو بھی پتا چل جاتا ہے کہ کونسی حدیث ناسخ ہے اور کونسی منسوخ ہے مثلاً بعض روایات میں آتا ہے کہ آپؐ نے آگ پر پکی چیز کو کھا کر وضوء کیا اور بعض روایات میں آتا ہے کہ آپؐ نے آگ پر پکی چیز کو کھا کر وضوء نہیں کیا، مگر حضرتِ جابرؓ نے تصریح کر دی کہ آپ کا آخری عمل یہ تھا کہ آپ آگ پر پکی چیز کے کھانے سے وضوء نہیں کیا کرتے تھے۔تو حضرتِ جابرؓ کی اس تصریح سے معلوم ہو گیا کہ وہ روایات جن میں آپؐ کے آگ پر پکی چیز کو کھانے کے بعد وضوء کرنے کا ذکر ہے ''منسوخ'' ہیں جیسا کہ ابھی گذرا۔

۳-اگر احادیث کی تاریخ کا علم ہو تو بھی پتا چل جاتا ہے کہ کونسی حدیث ناسخ ہے اور کونسی منسوخ ہے مثلاً آپؐ کا فرمان ''أَفْطَرَ الْحَاجِمُ وَالْمَحْجُوْمُ'' (کہ روزہ کی حالت میں پچھنا لگانے اور لگوانے دونوں ہی سے روزہ ٹوٹ جاتا ہے) فتحِ مکہ کے موقع کا ہے اسلئے مقدم ہونے کی وجہ سے ''منسوخ'' ہے اور حدیث ''اِحْتَجَمَ النَّبِيُّ وَهُوَ مُحْرِمٌ صَائِمٌ'' (کہ آپؐ نے خود روزہ کی حالت میں پچھنا لگوایا ہے) حجۃ الوداع کے موقع کی ہے (جو فتحِ مکہ کے دو سال بعد ہوا) اسلئے مؤخر ہونے کی وجہ سے ''ناسخ'' ہے۔

۴-اجماع کی دلالت سے بھی پتا چل جاتا ہے کہ کونسی حدیث ناسخ ہے اور کونسی منسوخ ہے مثلاً مَنْ شَرِبَ الْخَمْرَ فَاجْلِدُوْهُ فَإِنْ عَادَ فِيْ الرَّابِعَةِ فَاقْتُلُوْهُ (جو شخص شراب پیئے تو تین دفعہ تک تو اسے کوڑے لگاؤ لیکن اگر وہ چوتھی دفعہ پھر پی لے تو اسے قتل کر دو) تو اس روایت سے پتا چلتا ہے کہ چوتھی دفعہ پی لینے پر قتل کرنا ہے لیکن صحابۂ کرام ؓ کا اس بات پر اجماع ہے کہ اگر چوتھی دفعہ بھی پی لے گا تب بھی قتل نہیں کیا جائیگا، تو اجماع

سے پتا چلا کہ اس حدیث کو رسول اللہ نے منسوخ فرمادیا ہے ورنہ صحابۂ کرامؓ اسکے خلاف ہرگز اجماع نہ کرتے۔

نوٹ:

اجماع کے ذریعہ ناسخ کا علم تو ہوسکتا ہے جیسا کہ ابھی گذرا، لیکن وہ خود ناسخ نہیں بن سکتا اسلئے کہ یہ اجماع امت کا ہوتا ہے تو یہ حضورؐ کی حدیث کو کیسے منسوخ کرسکتا ہے۔

راجح:

هُوَ الْحَدِيْثُ الْمَقْبُوْلُ الْمُعَارَضُ بِمِثْلِهٖ إِذَا ثَبَتَ تَرْجِيْحُهٗ عَلٰى مُعَارِضِهٖ

وہ حدیثِ مقبول جسکے معارض اُسی کے مثل مقبول حدیث ہو اور اُسے اُس معارض مقبول حدیث پر ترجیح دے دی گئی ہو۔

مرجوح:

هُوَ الْحَدِيْثُ الْمَقْبُوْلُ الْمُعَارَضُ بِمِثْلِهٖ إِذَا ثَبَتَ تَرْجِيْحُ مُعَارِضِهٖ عَلَيْهِ

وہ حدیثِ مقبول جسکے معارض اُسی کے مثل مقبول حدیث ہو اور اُس معارض مقبول حدیث کو اس پر ترجیح دے دی گئی ہو۔

وضاحت:

راجح اور مرجوح وہ مقبول حدیثیں ہیں جو ایک ہی درجہ کی ہوں اور ایک دوسری کے معارض ہوں، نہ تو ان دونوں حدیثوں میں ''تطبیق'' ممکن ہو کیونکہ اگر تطبیق ممکن ہوگی تو انہیں ''مختلف الحدیث'' کہا جائیگا جیسا کہ ابھی گذرا۔ اور نہ ہی ''نسخ'' ممکن ہو کیونکہ اگر نسخ ممکن ہوگا تو انہیں ''ناسخ اور منسوخ'' کہا جائیگا۔ البتہ ایک کو دوسری پر ترجیح دینے کی کوئی صورت موجود ہو تو جسکو ترجیح دی جائیگی وہ ''راجح'' کہلائیگی اور جس پر ترجیح دی جائیگی وہ ''مرجوح'' کہلائیگی۔ مثلاً وہ حدیثِ مقبول جو ایک چیز کی حرمت کو ثابت کرتی ہو اگر اس حدیثِ مقبول کے معارض ہو جائے جو بعینہٖ اسی چیز کی حلت کو ثابت کرتی ہو تو حدیثِ

محرِّم کو ترجیح دی جائیگی اور محلِّل کو چھوڑ دیا جائیگا کیونکہ احتیاط اسی میں ہے۔

حکم:

حدیثِ راجح پر عمل کرنا واجب ہے اور مرجوح کو ترک کرنا واجب ہے۔

متوقف فيه:

هُوَ الْحَدِيْثُ الْمَقْبُوْلُ الْمُعَارَضُ بِمِثْلِهٖ وَلَا يُمْكِنُ بَيْنَهُمَا الْجَمْعُ وَلَا النَّسْخُ وَلَا التَّرْجِيْحُ

وہ حدیثِ مقبول جسکے معارض اُسی کے مثل مقبول حدیث ہو اور ان دونوں کے درمیان نہ تو تطبیق کی کوئی صورت ہو اور نہ ہی نسخ وترجیح کی۔

حکم:

دونوں حدیثوں میں ''توقف'' کیا جائیگا، اور مرجح کا انتظار کیا جائیگا، کیونکہ ممکن ہے کہ ہم سے بعد میں آنے والے کسی شخص کو ترجیح کی کوئی صورت مل جائے۔

نوٹ:

علماء لکھتے ہیں کہ متوقف فیہ حدیث کی کوئی مثال نہیں ملتی۔

متعارض احادیث کے درمیان ترجیح کی چند صورتیں:

مقبول احادیث کے درمیان اگر تعارض ہو جائے تو علماء نے ترجیح کی بہت سی صورتیں لکھی ہیں ذیل میں چند اہم صورتیں ذکر کی جاتی ہیں

۱-وہ حدیثِ مقبول جو ایک چیز کی حرمت کو ثابت کرتی ہو اگر اس حدیثِ مقبول کے معارض ہو جائے جو بعینہٖ اسی چیز کی حلت کو ثابت کرتی ہو تو حدیثِ محرِّم کو ترجیح دی جائیگی اور محلِّل کو چھوڑ دیا جائیگا کیونکہ احتیاط اسی میں ہے۔

۲-وہ روایات جن میں کوئی حکم ادنی مقدار پر لگا ہو ان روایات پر راجح ہو جاتی

ہیں جن میں حکم زیادہ مقدار پر لگا ہو مثلاً بعض روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ سوٴال اسکے لئے جائز نہیں جس شخص کے پاس صبح وشام کے کھانے کا انتظام ہو اور بعض روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ سوٴال اس کے لئے جائز نہیں جسکے پاس چالیس یا پچاس درہم یا اسی کی مالیت کی کوکوئی اور کرنسی وغیرہ ہو ہو اگر چالیس یا پچاس درہم یا اسی کی مالیت کی کوکوئی اور کرنسی وغیرہ نہیں ہے تو اسکے لئے سوٴال جائز ہے، تو وہ روایات راجح ہونگی جن میں اس شخص کے لئے سوٴال کے حرام ہونے کا ذکر ہے جسکے پاس صبح وشام کے کھانے کا انتظام ہو کیونکہ ان میں حکم ادنی مقدار پر ہے۔

۳-اگر ایک روایت میں حکم کی علت مذکور ہو اور وہ دوسری ایسی روایت کے معارض ہو جائے جس میں حکم کی علت مذکور نہ ہو تو علت پر مشتمل روایت راجح ہوگی۔

۴-زیادہ راویوں والی روایت اگر کم راویوں والی روایت کے معارض ہو جائے تو زیادہ راویوں والی روایت کو ترجیح دے دی جاتی ہے۔

۵-مروی عنہ (جس سے حدیث نقل کی جارہی ہے) اس سے قریب رہنے والے راوی کی روایت اگر دور رہنے والے راوی کی روایت کے معارض ہو جائے تو قریب رہنے والے راوی کی روایت کو ترجیح دے دی جاتی ہے۔

۶-اَتقن واَحفظ راوی کی روایت اگر غیر اتقن کی روایت کے معارض ہو جائے تو اتقن کی روایت کو ترجیح دے دی جاتی ہے۔

۷-جس شخص کو کوئی واقعہ پیش آئے اگر اسکی روایت اس شخص کی روایت کے معارض ہو جائے جسے وہ واقعہ پیش نہ آیا ہو تو صاحبِ واقعہ کی روایت کو ترجیح دے دی جاتی ہے۔

۸-مروی عنہ یعنی جس سے حدیث نقل کی جارہی ہے اس کے پاس بار۔ بار آنے والے راوی کی روایت اگر اسکے پاس کم آنے والے راوی کی روایت کے معارض ہو جائے تو بار۔ بار آنے والے راوی کی روایت کو ترجیح دے دی جاتی ہے۔

۹-مشہور اور جلیل القدر راوی کی روایت اگر اس سے کم رتبہ والے راوی کی روایت کے معارض ہو جائے تو جلیل القدر راوی کی روایت کو ترجیح دے دی جاتی ہے۔

۱۰-وہ راوی جس نے کوئی روایت بالغ ہونے کے بعد حاصل کی ہو اسکی روایت بلوغ سے پہلے حاصل کرنے والے راوی کی روایت پر راجح ہو جاتی ہے۔

۱۱-وہ راوی جو مروی عنہ سے سنے ہوئے الفاظ میں روایت کرے اسکی حدیث اس راوی کی حدیث پر راجح ہو جاتی ہے جو بالمعنی روایت کرے۔

۱۲-جس حدیث کی سند میں اختلاف نہ ہو وہ اس حدیث پر راجح ہو جاتی ہے جسکی سند میں اختلاف ہو۔

۱۳-جس حدیث کی سند میں حدیث کے متصل ہونے پر دلالت کرنے والے الفاظ ہوں وہ اس حدیث پر راجح ہو جاتی ہے جس کی سند میں ایسے الفاظ نہ ہو، مثلاً کسی حدیث کی سند لفظِ "حَدَّثَنَا" کے ساتھ آئی ہے جو اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ ہر راوی نے اپنے اوپر کے راوی سے بلا واسطہ سنا ہے اسلئے معلوم ہوا کہ حدیث متصل ہے۔ اور ایک دوسری حدیث کی سند لفظِ "عَنْ" کے ساتھ آئی ہے جس میں یہ بھی احتمال ہے کہ نیچے کے راوی نے اوپر کے راوی سے بلاواسطہ سنا ہو اور یہ بھی احتمال ہے کہ بالواسطہ سنا ہو اور واسطہ کو حذف کر دیا ہو جس سے حدیث منقطع ہو جاتی ہے، تو جو لفظِ "حَدَّثَنَا" کے ساتھ آئی ہے وہ اس پر راجح ہو جائیگی جو لفظِ "عَنْ" کے ساتھ آئی ہے۔

۱۴-وہ حدیث جو کسی سخت وعید پر مشتمل ہو اس حدیث پر راجح ہو جاتی ہو جو ایسی سخت وعید پر مشتمل نہ ہو مثلاً بعض روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ شخص جو نمازی کے آگے سے گذرتا ہے اگر اسے اسکی سزا معلوم ہو جائے تو وہ سو سال کھڑے رہنے کو اس سزا پر ترجیح دے، اور بعض روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ چالیس دن یا چالیس مہینے یا چالیس سال کھڑے رہنے کو اس سزا پر ترجیح دے تو جن سے سو سال کا پتا چلتا ہے وہ راجح

ہو جائیں گی کیونکہ وعیدان میں زیادہ سخت ہے۔

۱۵-حدیثِ مرفوع اگر حدیثِ موقوف یا مقطوع کے معارض ہو جائے تو حدیثِ مرفوع راجح ہو جاتی ہے۔

۱۶-وہ حدیث جس کی سند عالی ہو یعنی اسکی سند میں واسطے کم ہوں اگر اس حدیث کے معارض ہو جائے جس کی سند نازل ہو تو سندِ عالی والی حدیث راجح ہو جاتی ہے۔

۱۷-کبارِ صحابہ کی روایت اگر صغارِ صحابہ کی روایت کے معارض ہو جائے تو کبارِ صحابہ کی روایت راجح ہو جاتی ہے۔

☆☆☆

خبرِ مردود

(تعریف، مثال اور حکم گزر چکا)

خبرِ مردود:

مَالَمْ يَتَرَجَّحْ صِدْقُ الْمُخْبِرِ بِهٖ

وہ خبرِ واحد جسکے مخبر کا صدق راجح نہ ہو

حکم:

خبرِ مردود قابلِ استدلال نہیں ہوتی لہذا اسے بطورِ حجت پیش نہیں کیا جا سکتا۔

تنبیہ:

کوئی بھی حدیث فی نفسہٖ مردود نہیں ہوتی ،لیکن اگر اسکا راوی غیر معتبر ہوتو چونکہ اس وقت یہ معلوم ہو جاتا ہے کہ یہ آپ ﷺ کا کلام نہیں ہے تو اس وقت اسے مردود کہا جاتا ہے۔

اسبابِ رد:

کسی حدیث کے نا قابلِ عمل ہونے کے دو سبب ہیں (۱) سقط یعنی حدیث کی سند سے کسی راوی کو حذف کر دینا (۲) طعن یعنی حدیث کی سند کے کسی راوی میں ایسے عیب کا ہونا جو قبولِ حدیث میں مانع ہو۔

وضاحت:

حدیث کے مقبول ہونے کے لئے اسکے رواۃ کا ثقہ اور عادل ہونا بھی ضروری ہے اور ضابط ہونا بھی ضروری ہے لیکن جب حدیث کی سند سے کسی راوی کو حذف کر دیا جائے تو چونکہ محذوف راوی کے حالات معلوم نہیں ہیں ،ہوسکتا ہے کہ ثقہ ہو اور یہ بھی ہوسکتا ہے کہ غیر ثقہ ہو تو احتمال اور شک پیدا ہو گیا اور قبولیت کی پہلی شرط یعنی ثقہ اور عادل ہونا نہیں پائی گئی اسلئے حدیث مردود ہوگی۔

ٹھیک اسی طرح اگر حدیث کے تمام رواۃ مذکور ہوں لیکن کسی راوی میں کوئی ایسا عیب پایا جاتا ہو جو اسکی ثقاہت اور عدالت کو ساقط کر دے تو بھی حدیث مقبول نہیں ہوگی کیونکہ قبولیت کی پہلی شرط یعنی ثقہ اور عادل ہونا نہیں پائی گئی۔

اسی طرح اگر ایسا عیب پایا جاتا ہو جس سے اسکی عدالت تو ساقط نہ ہوتی ہو لیکن حدیث کے ضبط کرنے اور محفوظ کرنے میں ضعف ثابت ہوتا ہو اور تعددِ طرق یعنی حدیث کے متعدد سندوں سے آنے سے بھی وہ ضعف ختم نہ ہوسکتا ہو تو اس صورت میں بھی حدیث مقبول نہیں ہوگی کیونکہ قبولیت کی دوسری شرط یعنی راوی کا ضابط ہونا نہیں پائی گئی۔

سقط کی کی دو قسمیں ہیں:

(۱)سقطِ ظاہر (۲)سقطِ خفی

(۱) سقطِ ظاہر :

سلسلۂ سند سے کسی راوی کا ذکر اس طرح محذوف ہو کہ اسکا پتا لگانا آسان ہو

مثال:

أَخْبَرَنَا مَالِكٌ عَنْ زَيْدِ بْنِ أَسْلَمَ عَنْ سَعِيْدِ بْنِ الْمُسَيِّبِ أَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ نَهٰى عَنْ بَيْعِ اللَّحْمِ بِالْحَيْوَانِ

(موطا مَالك)

وضاحت:

سعید بن المسیب مشہور تابعی ہیں اور وہ رسول اللہ ﷺ سے روایت کر رہے ہیں تو بالکل آسانی سے معلوم ہو گیا کہ اس میں سعید بن المسیب کے بعد صحابی محذوف ہیں۔

سقطِ ظاہر کو جاننے کے طریقے:

اگر راوی اور اسکے شیخ کے درمیان ملاقات کا نہ ہونا ثابت ہو جائے یا تو اس طرح کہ اس نے شیخ کا زمانہ ہی نہ پایا ہو یا اسکا زمانہ تو پایا ہو لیکن اس سے مل نہ سکا ہو اور نہ ہی اسے شیخ سے اجازت حاصل ہو اور نہ ہی وجادت، تو اس سے معلوم ہو جاتا ہے کہ درمیان میں کوئی راوی ساقط ہے۔

فائدہ:

اجازت:

محدث ایسے طالبِ علم کو جس نے اس سے احادیث نہ سنی ہوں اور نہ ہی اسکے سامنے پڑھی ہوں اپنی سند سے کسی حدیث کو یا کسی حدیث کی کتاب کی احادیث کو نقل کرنے کی تحریری یا زبانی اجازت دے دے تو اسے اجازت کہتے ہیں۔ مثلاً محدث کہے کہ تو میری

سند سے اس حدیث کو روایت کرسکتا ہے یا یوں کہے کہ تو میری سند سے صحیح بخاری کو روایت کرسکتا ہے یا تو میری سند سے صحیح مسلم کے کتاب الایمان کو روایت کرسکتا ہے۔

وِجادت:

اگرکوئی شخص کسی کی لکھی ہوئی حدیث یا حدیث کی کتاب پائے اور طرزِ تحریر یا دستخط یا شہادت وغیرہ سے یقین ہوجائے کہ یہ فلاں کی تحریر ہے تو اسے وجادت کہیں گے ۔وجادت کا حکم یہ کہ "أَخْبَرَنِیْ "اوراس جیسے دوسرے صیغوں کے ذریعہ اسی وقت روایت کرسکتا ہے جب صاحبِ تحریر کی طرف سے اجازت بھی ہو۔اوراگر اسکی طرف سے اجازت نہ ہوتو پھر یوں کہہ کرروایت کرے کہ "وَجَدْتُّ بِخَطِّ فُلَانٍ" (فلاں کی قلم سے لکھی ہوئی تحریر میں یوں ہے)اور پھر اسکی سند کے ساتھ حدیث کو روایت کردے۔اجازت ووجادت کی تفصیلی بحث آئندہ آئیگی۔

نوٹ:

سقط کو جاننے کے لئے ضروری ہے کہ سندوں کی تحقیق کرنے والوں کو روات کی تاریخِ پیدائش،تاریخِ وفات،طلبِ علم اورطلبِ علم کے لئے سفر کرنے کی تاریخ معلوم ہو ۔

سقطِ واضح کی چار قسمیں ہیں:

(۱)معلق (۲)مرسل (۳)معضل (۴)منقطع

سقط خفی:

سلسلۂ سند سے کسی راوی کا ذکراس طرح محذوف ہو کہ اسکا پتا لگانا آسان نہ ہو البتہ ماہرین حضرات اسکا پتا لگاسکتے ہوں۔

مثال:

حَدَّثَنَا إِبْرَاهِیْمُ بْنُ عَبْدِ اللّٰهِ الْهَرَوِيِّ حَدَّثَنَا هَشِیْمٌ أَخْبَرَنَا یُوْنُسُ بْنُ عُبَیْدٍ

عَنْ نَافِعٍ عَنِ بْنِ عُمَرؓ قَالَ :قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ "مَطْلُ الغَنِیِّ ظُلْمٌ"

ہم سے حدیث بیان ابراہیم بن عبداللہ ہروی نے ،ابراہیم کہتے ہیں کہ ہم سے ہشیم نے ، ہشیم کہتے ہیں کہ ہم سے یونس بن عبید نے ،وہ روایت کرتے ہیں نافع سے ،وہ ابنِ عمرؓ سے کہ رسول اللہؐ نے فرمایا ''مالدار کا ٹال مٹول کرنا ظلم ہے''

وضاحت:

اس حدیث کی سند بظاہر متصل ہے کیونکہ یونس بن عبید، نافع کے معاصر ہیں اسلئے ایسا لگتا ہے کہ انہوں نے ان سے سنا ہے لیکن ائمۂ نقد فرماتے ہیں کہ انہوں نے نافع سے نہیں سنا ۔تو یونس بن عبید اور نافع کے بیچ میں ایسا سقط ہے جسکا پتا لگانا ہر کسی کے بس کی بات نہیں بلکہ ائمۂ نقد و جرح اسکا پتا لگا سکتے ہیں۔

سقطِ خفی کی دو قسمیں ہیں:

(۱) مدلَّس (۲) مرسل خفی

سقطِ خفی کو جاننے کے طریقے:

(۱) راوی خود وضاحت کردے کہ میری مروی عنہ سے ملاقات نہیں ہوئی ہے۔
(۲) کوئی واقف کار امام کہہ دے کہ فلاں کی اس سے ملاقات نہیں ہوئی ہے۔

خبرِ مردود کی اقسام باعتبار سقطِ ظاہر کے

معلق:

مَا حُذِفَ مِنْ مَبْدَأِ إِسْنَادِهِ رَاوٍ فَأَكْثَرَ عَلَى التَّوَالِيْ

وہ حدیث جسکی سند کے شروع سے ایک یا چند یا سبھی راوی مسلسل محذوف ہوں۔

وضاحت:

وہ حدیث جسکی سند کے شروع سے بالقصد کسی مصنف نے مسلسل ایک یا چند یا سبھی راویوں کو حذف کر دیا ہو۔اب معلق کی چند صورتیں ہو جاتی ہیں:

(۱) پوری سند حذف کر دی ہو اور ''قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہ ﷺ'' کہہ کر حدیث بیان کی ہو۔

(۲) صحابی کے علاوہ تمام سند حذف کر دی ہو۔

(۳) صحابی اور تابعی کے علاوہ باقی سند حذف کر دی ہو۔

(۴) ابتدائے سند سے ایک یا چند راویوں کو حذف کر دے۔

یہ سب معلق ہی کی صورتیں ہیں۔

تنبیہ:

مبدءِ سند (سند کا شروع) اسکا وہ نچلا کنارہ ہے جو ہماری طرف سے ہے یعنی مؤلف کا شیخ سند کا شروع ہے اور اسے مبدءِ سند اس لئے کہتے ہیں کیونکہ حدیث پڑھنے کی ابتداء اسی سے ہوتی ہے۔

مثال:

قَالَ أَبُوْمُوْسیٰ :غَطَّی النَّبِیُّ ﷺ رُکْبَتَیْهِ حِیْنَ دَخَلَ عُثْمَانُ

(حضرتِ ابوموسیٰ اشعریؓ کہتے ہیں کہ جب حضرتِ عثمانؓ داخل ہوئے تو آپ ؐ نے اپنے گھٹنے ڈھانپ لئے)

وضاحت:

اسمیں امام بخاری نے صحابی (ابوموسیٰ اشعری) کے علاوہ پوری سند حذف کر دی ہے ۔

معلق کا حکم:

اس قسم کی احادیث مقبول نہیں ہونگی اسلئے کہ ان میں قبولیت کی شرط ''اتصالِ سند''

نہیں پائی جارہی ہے۔

نیز ہمیں محذوف راویوں کے ثقہ اور عادل ہونے یا نہ ہونے کا بھی علم نہیں ہے حالانکہ حدیث کی قبولیت کے لئے راویوں کی عدالت کی شرط ہے۔

نوٹ:

اگر کسی دوسری سند سے اس محذوف راوی کی تعین ہو جائے تو وہ معلق مقبول ہوگی بشرطیکہ قبولیت کی دیگر شرائط بھی موجود ہوں۔

صحیحین کی تعلیقات کا حکم:

جن کتابوں میں صحیح احادیث بیان کرنے کا التزام کیا گیا ہے جیسے بخاری اور مسلم ،ان کی تعلیقات کا حکم اس طرح ہے۔

جو معلق احادیث وہ جزم اور یقین کے صیغہ یعنی "ذَکَرَ ،قَالَ اور حَکیٰ " کے ساتھ ذکر کریں تو ان پر انکی طرف صحیح ہونے کا حکم ہے،تو وہ انکے اعتماد پر مقبول ہونگی۔

اور جو وہ صیغۂ تمریض یعنی "ذُکِرَ ،قِیْلَ اور حُکِیَ" کے ساتھ ذکر کریں تو ان پر ان کی طرف سے صحیح ہونے کا حکم نہیں ہے، بلکہ انکی تحقیق ضروری ہے کیونکہ وہ صحیح بھی ہوتی ہیں اور حسن بھی ہوتی ہیں اور ضعیف بھی ہوتی ہیں لیکن بالکل ضعیف اور بے اصل نہیں ہوتی۔

نوٹ:

جن محدثین نے صحیح احادیث کو بیان کرنے کا التزام نہیں کیا ہے انکی تعلیقات مقبول نہیں ہیں۔

تنبیہ:

امام بخاری اور مسلم نے صرف صحیحین یعنی بخاری اور مسلم میں ہی صحیح احادیث درج کرنے کا التزام کیا ہے اپنی دیگر تصانیف میں اسکا التزام نہیں کیا ہے۔مثلاً امام بخاری نے التاریخ الکبیر، جزء القراءۃ اور جزءِ رفعِ یدین میں ہر طرح کی احادیث لی ہیں اور امام مسلم

نے مسلم شریف کے مقدمہ میں ہر طرح کی احادیث لی ہیں۔اور مقدمۂ مسلم، صحیح مسلم کا جزء نہیں ہے بلکہ ایک مستقل کتاب ہے۔

مرسل:

هُوَ مَاسَقَطَ مِنْ آخِرِ إِسْنَادِهِ مَنْ بَعْدَ التَّابِعِيِّ

وہ حدیث جسکی سند کے آخر سے تابعی کے بعد کا راوی محذوف ہو۔

وضاحت:

وہ حدیث جسے تابعی "قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ" کہہ کر بیان کرے-وہ تابعی بڑے رتبہ کا ہو یا معمولی درجہ کا ہو-اور اپنے بعد کے راوی کو ذکر نہ کرے،اب وہ محذوف راوی صحابی بھی ہوسکتا ہے اور تابعی بھی،اسلئے تحقیق کی جائیگی۔اگر تحقیق میں وہ محذوف راوی صحابی ہے تو مطلقاً مقبول ہے کیونکہ تمام صحابہ عادل ہیں اور اگر تابعی ہے تو دیکھا جائیگا کہ ثقہ ہے یا غیر ثقہ،اگر ثقہ ہے تو مقبول ہے اور اگر ثقہ نہیں ہے تو مردود ہے۔

مثال:

عَنْ سَعِيْدِ بْنِ الْمُسَيِّبِ :أَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ نَهٰى عَنِ الْمُزَابَنَةِ

(حضرت سعید بن المسیب سے مروی ہے کہ رسول اللہ ؐ نے بیعِ مزابنہ سے روکا ہے
)

وضاحت:

اس سند میں تابعی سعید بن المسیب نے اپنے بعد کے راوی کو حذف کر دیا۔

مرسل کا حکم:

اکثر محدثین تحقیق سے قبل ضعیف قرار دیتے ہیں اور احناف و موالک کے نزدیک معتبر ہیں،لیکن احناف و موالک کے نزدیک ان تابعین ہی کی مرسل روایات تحقیق سے قبل معتبر ہیں جو ہمیشہ ثقہ راویوں ہی کے نام حذف کرتے ہیں جیسے حضرت سعید بن

المسیّب۔

اور اگر وہ تابعین ثقہ اور غیر ثقہ دونوں طرح کے راویوں کے نام حذف کرتے ہیں تو انکی مرسل روایات معتبر نہیں ہیں تا آنکہ انکی تحقیق ہو جائے، کیونکہ احتمال ہے کہ تابعی نے وہ روایت صحابی سے نہ سنی ہو بلکہ تابعی سے سنی ہو اور وہ ثقہ نہ ہو، کیونکہ تابعی ثقہ اور غیر ثقہ دونوں طرح کے تھے۔

مرسلِ صحابی:

هُوَ مَا أَخْبَرَ بِهِ الصَّحَابِيُّ عَنْ قَوْلِ الرَّسُوْلِ ﷺ أَوْ فِعْلِهِ وَ لَمْ يَسْمَعْهُ أَوْ يُشَاهِدْهُ إِمَّا لِصِغَرِ سِنِّهِ أَوْ تَأَخُّرِ إِسْلَامِهِ أَوْ غِيَابِهِ

رسول اللہ کا وہ قول و فعل جسے ایسا صحابی بیان کرے جس نے اسے اپنی کم عمری یا اسلام کے بعد میں لانے یا وقت پر موجود نہ ہونے کی وجہ سے سنا یا دیکھا نہ ہو۔

وضاحت:

مرسلِ صحابی وہ حدیث ہے جسے کسی صحابی نے دوسرے صحابی سے اخذ کیا ہو، رسول اللہ سے نہ سنا ہو اور پھر روایت کرتے وقت اس صحابی کا جس سے حدیث اخذ کی ہے ذکر نہ کرے۔

مرسلِ صحابی کا حکم:

اس پر جمہور کا اتفاق ہے کہ مرسلِ صحابی معتبر اور مقبول ہے۔

معضل:

مَاسَقَطَ مِنْ إِسْنَادِهِ اِثْنَانِ فَأَكْثَرُ عَلىٰ التَّوَالِيْ

وہ حدیث جسکی سند سے دو یا زیادہ راوی مسلسل محذوف ہوں خواہ شروع سے ہوں یا درمیان سے ہوں یا آخر سے ہوں۔

مثال:

عَنْ مَالِكٍ أَنَّهُ بَلَغَهُ أَنَّ أَبَاهُرَيْرَةَ قَالَ :قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ :لِلْمَمْلُوْكِ طَعَامُهُ وَكِسْوَتُهُ بِالْمَعْرُوْفِ وَلَايُكَلَّفُ مِنَ الْعَمَلِ إِلَّامَايُطِيْقُ

(امام مالکؒ فرماتے ہیں کہ مجھے حضرت ابو ہریرہؓ سے یہ روایت پہنچی ہے کہ رسول اللہؐ نے فرمایا کہ ''غلام کو دستور کے مطابق کھانا اور کپڑے دیئے جائیں اور اسے اسکی طاقت بھر کاموں کا ہی ذمہ دار بنایا جائے)

(مؤطا امام مالك)

وضاحت:

اس حدیث کی سند میں حضرت امام مالکؒ اور حضرت ابو ہریرہؓ کے درمیان دو راوی مسلسل محذوف ہیں اسلئے یہ حدیث معضل ہے کیونکہ امام مالکؒ نے محمد بن عجلان سے اور انہوں نے اپنے والد عجلان سے اور انہوں نے حضرت ابو ہریرہؓ سے یہ حدیث روایت کی ہے۔

معضل کا حکم:

یہ ضعیف اور نا قابلِ عمل ہے اور مرسل و منقطع سے بھی زیادہ ضعیف اور کمزور ہے۔

نوٹ:

اس قسم کی احادیث اسلئے مقبول نہیں ہیں کیونکہ ان میں قبولیت کی شرط ''اتصالِ سند'' نہیں پائی جارہی ہے۔

نیز ہمیں محذوف راویوں کے ثقہ اور عادل ہونے یا نہ ہونے کا بھی علم نہیں ہے حالانکہ حدیث کی قبولیت کے لئے ''راویوں کی عدالت'' شرط ہے۔

معلق اور معضل کے درمیان نسبت:

انکے درمیان عموم خصوص من وجہٍ کی نسبت ہے کیونکہ یہ دونوں ایک حالت میں جمع ہوجاتی ہیں اور دو حالتوں میں الگ الگ رہ جاتی ہیں اب تینوں مادے نیچے ذکر کیے جاتے ہیں۔

اجتماعی مادہ:

جب سند کے شروع سے دو راوی مسلسل محذوف ہوں تو وہ معضل بھی ہوگی اور معلق بھی ہوگی۔ یہ معلق تو اسلئے ہے کیونکہ معلق میں ایک یا زیادہ راوی سند کے شروع سے ہی محذوف ہوتے ہیں۔اور معضل اسلئے ہے کیونکہ اِسمیں دو راوی مسلسل محذوف ہیں اور معضل میں دو راوی مسلسل ہی محذوف ہوتے ہیں چاہے کہیں سے ہو۔

افتراقی مادہ اول:

جب سند کے درمیان سے دو راوی مسلسل حذف کردئے جائیں تو وہ معضل تو ہوگی لیکن معلق نہیں ہوگی کیونکہ معلق میں ایک یا زیادہ راوی سند کے شروع سے حذف ہوتے ہیں اور یہاں درمیان سے ہیں۔اور معضل میں دو یا زیادہ راوی کہیں سے بھی حذف ہوجاتے ہیں۔

افتراقی مادہ ثانی :

جب سند کے شروع سے ایک راوی محذوف ہو تو وہ معلق تو ہوگی لیکن معضل نہیں ہوگی کیونکہ معضل میں کم سے کم دو راوی محذوف ہوتے ہیں چاہے کہیں سے ہوں اور یہاں ایک ہی محذوف ہے۔اور یہ معلق اسلئے ہے کیونکہ اسمیں سند کے شروع سے ایک راوی محذوف ہے اور معلق میں سند کے شروع سے ہی ایک یا زیادہ راوی محذوف ہوتے ہیں۔

منقطع:

مَاسَقَطَ مِنْ وَسْطِ سَنَدِهٖ وَاحِدٌ أَوْ اِثْنَانِ فَأَكْثَرُ لَا عَلٰى التَّوَالِىْ

وہ حدیث جسکی سند کے درمیان سے ایک یا زیادہ راوی بلاتسلسل محذوف ہوں۔

وضاحت:

وہ حدیث متاخرین کے نزدیک منقطع ہے جسکی سند کے درمیان سے راوی محذوف ہو کیونکہ اگر شروع سے ایک یا زیادہ راوی محذوف ہونگے تو معلق ہوگی اور اگر آخر سے کوئی

راوی محذوف ہوگا تو مرسل ہوگی۔دوسری بات یہ ہے کہ ایک سے زیادہ راوی مسلسل محذوف نہ ہوں کیونکہ اگر مسلسل محذوف ہونگے تو وہ معضل ہوگی۔

مثال:

مَارَوَاهُ عَبْدُ الرَّزَّاقِ عَنِ الثَّوْرِيِّ عَنْ أَبِيْ إِسْحَاقَ عَنْ زَيْدِ بْنِ يُثَيْعٍ عَنْ حُذَيْفَةَ مَرْفُوْعاً :"إِنْ وَلَّيْتُمُوْهَا أَبَابَكْرٍ فَقَوِيٌّ أَمِيْنٌ"

(عبدالرزاق کی روایت ثوری سے،انہوں نے ابواسحاق سے،انہوں نے زید بن یثیع سے اور انہوں نے حذیفہ سے مرفوعاً روایت کی ہے کہ "اگر تم اسکا والی بناؤ ابوبکرؓ کو تو قوی اور امین ہیں")

وضاحت:

اس مثال میں درمیانِ سند یعنی ثوری اور ابواسحاق کے درمیان سے شریک نامی راوی ساقط ہے کیونکہ ثوری نے ابو اسحاق سے براہِ راست حدیث نہیں سنی ہے بلکہ ابو اسحاق سے شریک نے اور شریک سے ثوری نے سنی ہے۔

حکم:

ضعیف اور نا قابلِ عمل ہے

نوٹ:

اس قسم کی احادیث اسلئے مقبول نہیں ہیں کیونکہ ان میں قبولیت کی شرط "اتصالِ سند" نہیں پائی جارہی ہے۔

نیز ہمیں محذوف راویوں کے ثقہ اور عادل ہونے یا نہ ہونے کا بھی علم نہیں ہے حالانکہ حدیث کی قبولیت کے لئے "راویوں کی عدالت" شرط ہے۔

خبرِ مردود کی اقسام باعتبار سقطِ خفی کے

مدلَّس:

جوتدلیس کرے اسے مدلِّس کہتے ہیں اوراسکی روایت کومدلَّس کہتے ہیں۔

تدلیس:

إخْفَاءُ عَيْبٍ فِيْ الإسْنَادِ وَتَحْسِيْنٌ لِظَاهِرِهِ

وضاحت:

سند کے عیب یعنی انقطاع اورراوی کے ضعف کو چھپانا اوراسے اس طرح پیش کرنا کہ یہ وہم ہوکہ وہ متصل ہے منقطع نہیں ہے اوراسکے روات مضبوط ہیں ضعیف نہیں ہیں۔

تدلیس کی تین قسمیں ہیں:

(١)تدلیس الإسناد:

أنْ يَّرْوِىَ الرَّاوِىْ عَمَّنْ لَقِيَهٗ وَسَمِعَهٗ مَالَمْ يَسْمَعْ مِنْهُ مُوْهِماً أنَّهٗ سَمِعَهٗ مِنْهُ أوْ عَمَّنْ لَقِيَهٗ وَلَمْ يَسْمَعْ مِنْهُ مُوْهِماً أنَّهٗ لَقِيَهٗ وَسَمِعَ مِنْهُ

یہ ہے کہ راوی ایسے شیخ سے جس ملاقات بھی ہوئی ہے اوراحادیث بھی سنی ہے ایسی حدیث روایت کرے جواس سے نہیں سنی یہ وہم ڈالتے ہوئے کہ اس سے سنی ہے یعنی ایسے الفاظ ذکرکرے جوسماع کاوہم ڈالتے ہیں مثلاقَالَ،عَنْ وغیرہ۔

یاکوئی حدیث روایت کرے ایسے شیخ سے جس سے ملاقات تو ہوئی ہے لیکن کوئی حدیث نہیں سنی یہ وہم ڈالتے ہوئے کہ اس سے ملاقات ہوئی ہے اوراحادیث بھی سنی ہیں یعنی ایسے الفاظ ذکرکرے جوسماع کاوہم ڈالتے ہیں مثلاقَالَ،عَنْ وغیرہ۔

مثال:

مَـا أخْرَجَهُ الْحَاكِمُ بِسَنَدِهٖ إلىٰ عَلِيٍّ بْنِ خشْرَمٍ قَالَ :"قَالَ لَنَا ابْنُ عُيَيْنَةَ عَنِ الـزُّهْـرِيِّ فَـقِيْـلَ لَـهٗ سَـمِعْتَهٗ مِنَ الزُّهْرِيِّ ؟ فَقَالَ لَا ،وَلَا مِمَّنْ سَمِعَهٗ مِنَ الزُّهْرِيِّ :حَدَّثَنِيْ عَبْدُ الرزَّاقِ عَنْ مَعْمَرٍ عَنِ الزُّهْرِيِّ"

وہ حدیث جسکو حاکم نے ذکر کیا ہے اپنی سند کے ساتھ علی بن خشرم تک، اسنے کہا: ہمیں ابن عیینہ نے زہری سے روایت کیا، پھر ابن عیینہ سے کہا گیا کہ کیا آپ نے زہری سے سنا ہے؟ تو انہوں نے کہا نہیں زہری سے نہیں سنا، اور نہ ہی اس سے جس نے زہری سے سنا ہے بلکہ ہمیں تو یہ حدیث بیان کی عبدالرزاق نے معمر سے، اور انہوں نے زہری سے۔

وضاحت:

ابنِ عیینہ نے یہ حدیث زہری سے نہیں سنی مگر ایسے لفظ یعنی عَنْ کے ساتھ روایت کی جس سے یہ وہم ہوتا ہے کہ انہوں نے ان سے سنی ہے۔

مدلّس اور مرسلِ خفی میں فرق:

مدلّس اور مرسلِ خفی میں فرق یہ ہے کہ مدلّس میں ایسے شیخ کی طرف روایت منسوب کی جاتی ہے جس سے ملاقات تو ہوتی ہے مگر اس سے یا تو کوئی بھی حدیث نہیں سنی ہوتی یا اور احادیث تو سنی ہوتی ہیں مگر یہ روایت کردہ حدیث نہیں سنی ہوتی۔ اور مرسلِ خفی میں ایسے شیخ کی طرف روایت منسوب کی جاتی ہے جو ہم عصر تو ہوتا ہے مگر اس سے ملاقات نہیں ہوتی۔ اسی لئے مُخضرَ مین کی روایات اگر وہ "قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہ ﷺ" کہہ کر روایت کریں مرسلِ خفی ہونگی کیونکہ وہ رسول اللہ کہ ہم عصر تو ہیں لیکن انہوں نے آپ سے ملاقات نہیں کی۔

تدليس التسوية:

هُوَ رِوَايَةُ الرَّاوِىْ عَنْ شَيْخِهِ ثُمَّ إِسْقَاطُ رَاوٍ ضَعِيْفٍ بَيْنَ ثِقَتَيْنِ لَقِىَ أَحَدُهُمَا الْآخَرَ

یہ ہے کہ راوی اپنے شیخ سے روایت کرے پھر ضعیف راوی کو ایسے دو ثقہ کے درمیان سے گرادے جن میں سے ایک نے دوسرے سے ملاقات کی ہو۔

وضاحت:

اسکی صورت یہ ہے کہ مدلِّس راوی ایک حدیث ثقہ شیخ سے روایت کرے اور وہ ثقہ شیخ اسکو ضعیف سے روایت کرے اور وہ ضعیف ثقہ سے روایت کرے اور یہ دونوں ثقہ جن کے درمیان میں ضعیف ہے آپس میں مل چکے ہوں پھر مدلِّس راوی ان دونوں ثقہ راویوں کے درمیان سے ضعیف راوی کو ساقط کردے پھر ایسے لفظ کے ساتھ روایت کرے جس سے یہ وہم ہو کہ اسکے ثقہ شیخ نے دوسرے ثقہ سے روایت کی ہے ضعیف سے روایت نہیں کی ہے۔

مثال:

مَارَوَاهُ إِسْحَاقُ بْنُ رَاهْوِيَه عَنْ بَقِيَّةِ بْنِ الْوَلِيْدِ حَدَّثَنِىْ أَبُوْ وَهْبِ الأَسَدِىُّ عَنْ نَافِعٍ عَنْ ابْنِ عُمَرَؓ "لَاتَحْمَدُوْا إِسْلَامَ الْمَرْءِ حَتّٰى تُعْرَفَ عُقْدَةُ رَأْيِهٖ"

(اسحاق بن راہویہ کی روایت بقیہ بن ولید سے، انہوں نے کہا مجھے روایت کیا ابووہب اسدی نے نافع سے اور انہوں نے ابنِ عمرؓ سے کہ "تم آدمی کے اسلام کی تعریف نہ کرو حتی کہ اسکی رائے کی پختگی جان لو")

وضاحت:

بقیہ نے دو ثقہ ابووہب اسدی اور نافع کے درمیان سے ضعیف اسحاق بن ابی فروہ کو حذف کردیا تاکہ انکی سند عمدہ معلوم ہو اور عبید اللہ بن عمرو جن کی کنیت ابووہب ہے اور نسبت اسدی ہے انکا نام ذکر نہیں کیا بلکہ انکی کنیت اور نسبت ذکر کی تاکہ درمیان سے محذوف راوی معلوم نہ ہوسکے۔

تدلیس الشیوخ:

هُوَ أَنْ يَرْوِىَ الرَّاوِىْ عَنْ شَيْخٍ حَدِيْثاً سَمِعَهٗ مِنْهُ فَيُسَمِّيَهٗ أَوْ يَكْنِيَهٗ أَوْ يَنْسِبَهٗ أَوْ يَصِفَهٗ بِمَا لَا يُعْرَفُ بِهٖ كَىْ لَا يُعْرَفَ

(یہ ہے کہ راوی اپنے شیخ سے ایسی حدیث روایت کرے جو اس سے سنی ہے لیکن اسکا

ذکر غیر معروف نام یا غیر معروف کنیت یا غیر معروف نسبت یا غیر معروف صفت سے کرے تا کہ اسے پہچانا نہ جا سکے)

مثال:

قَوْلُ أَبِيْ بَكْرِ بْنِ مُجَاهِدٍ أَحَدِ أَئِمَّةِ الْقُرَّاءِ "حَدَّثَنَا عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ أَبِيْ عَبْدِ اللّٰهِ"

(ابو بکر بن مجاہد جو ائمۂ قراء میں سے ایک ہیں انکا قول "ہمیں روایت کی عبداللہ بن ابو عبداللہ نے")

وضاحت:

عبداللہ بن ابو عبداللہ سے انکی مراد ابو بکر بن ابو داؤد سجستانی ہیں لیکن جس کنیت و نسبت سے وہ مشہور ہیں اسے چھوڑ کر غیر مشہور نام ذکر کیا ہے تا کہ انہیں پہچانا نہ جا سکے۔

تدلیس کا حکم:

(۱) تدلیسِ اسناد انتہائی مکروہ ہے یہاں تک کہ شعبہ اسے جھوٹ کے مثل کہا کرتے تھے۔

(۲) تدلیسِ تسویہ، تدلیسِ اسناد سے بھی زیادہ مکروہ ہے یہانتک کہ عراقی کہتے ہیں کہ جو شخص جان بوجھکر ایسا کرے اسکی ثقاہت ساقط ہو جاتی ہے۔

(۳) تدلیسِ شیوخ، تدلیسِ اسناد سے کم مکروہ ہے کیونکہ اسمیں درمیان سے کوئی راوی ساقط نہیں ہے۔

تدلیسِ شیوخ کے اسباب:

(۱) شیخ کا ضعیف یا غیر ثقہ ہونا۔

راویِ مدلِّس اپنے شیخ کا ذکر غیر معروف نام یا کنیت یا نسبت یا صفت سے اسلئے کرتا ہے تا کہ کسی کو معلوم نہ ہو کہ اسکا شیخ ضعیف یا غیر ثقہ ہے۔

(۲) مدلِّس کے شیخ سے روایت کرنے میں اسکے ساتھ اس سے چھوٹی اور کم درجہ کی

جماعت کا شریک ہونا۔

راویِ مدلِّس اپنے شیخ کا ذکر غیر معروف نام یا کنیت یا نسبت یا صفت سے اسلئے بھی کرتا ہے تا کہ کسی کو معلوم نہ ہو کہ اسنے اس چھوٹی اور کم درجہ جماعت کے ساتھ کسی شیخ سے روایت کی ہے۔

(۳) شیخ کا راویِ مدلِّس سے چھوٹا ہونا۔

راویِ مدلِّس اپنے شیخ کا ذکر غیر معروف نام یا کنیت یا نسبت یا صفت سے اسلئے بھی کرتا ہے تا کہ کسی کو معلوم نہ ہو کہ اسکا شیخ عمر میں اس سے چھوٹا ہے۔

(۴) شیخ سے اسکا بکثرت روایت کرنا۔

راویِ مدلِّس اپنے شیخ کا ذکر غیر معروف نام یا کنیت یا نسبت یا صفت سے اسلئے بھی کرتا ہے تا کہ اسکے شیخ کا ذکر ایک ہی طریقے پر نہ ہو۔

تدلیسِ اسناد کے اسباب:

(۱) سند کے عالی ہونے کا وہم ڈالنا۔

راویِ مدلِّس حدیث کی نسبت کسی ایسے شیخ کی طرف جس سے وہ حدیث نہیں سنی اسلئے کرتا ہے تا کہ لوگوں کو اسکی سند عالی معلوم ہو۔

(۲) شیخ سے لمبی روایت کا سننا اور پھر اسکے کچھ حصہ کا فوت ہو جانا۔

اگر ایسا ہو تب بھی راوی اس شیخ کو چھوڑ کر دوسرے کی طرف نسبت کر دیتا ہے۔

(۳) اپنے شیخ کا ضعیف یا غیر ثقہ ہونا۔

راویِ مدلِّس حدیث کی نسبت کسی ایسے شیخ کی طرف جس سے وہ حدیث نہیں سنی اسلئے بھی کرتا ہے تا کہ لوگوں یہ معلوم نہ ہو کہ اسکا شیخ ضعیف اور غیر ثقہ ہے۔

(۴) مدلِّس کے شیخ سے روایت کرنے میں اسکے ساتھ اس سے چھوٹی اور کم درجہ کی جماعت کا شریک ہونا۔

راویِ مدلِّس حدیث کی نسبت کسی ایسے شیخ کی طرف جس سے وہ حدیث نہیں سنی اسلئے بھی کرتا ہے تا کہ کسی کو معلوم نہ ہو کہ اسنے اس چھوٹی اور کم درجہ جماعت کے ساتھ کسی شیخ سے روایت کی ہے۔

(۵) شیخ کا راویِ مدلِّس سے چھوٹا ہونا۔

راویِ مدلِّس حدیث کی نسبت کسی ایسے شیخ کی طرف جس سے وہ حدیث نہیں سنی اسلئے بھی کرتا ہے تا کہ لوگوں کو یہ معلوم نہ ہو کہ اسکا شیخ اُس سے چھوٹا ہے۔

مدلِّس کی روایت کا حکم:

اگر مدلِّس سماع کی صراحت کر دے تو اسکی روایت مقبول ہوگی یعنی اگر وہ "سَمِعْتُ" یا اسکے مثل الفاظ کے ساتھ روایت کرے تو اسکی روایت مقبول ہوگی اگر قبولیت کی دیگر شرائط عدالتِ رواۃ وغیرہ بھی موجود ہوں۔

اور اگر سماع کی صراحت نہ کرے تو اسکی روایت مقبول نہیں ہوگی یعنی اگر وہ "عَنْ" یا اسکے مثل الفاظ کے ساتھ روایت کرے تو اسکی روایت مقبول نہیں ہوگی۔

تدلیس کی معرفت:

مندرجہ ذیل امور سے تدلیس کا علم ہو جاتا ہے:

(۱) خود مدلِّس کے اقرار سے۔ جیسا کہ ابنِ عیینہ خود بتا دیا کرتے تھے۔

(۲) کسی ماہر اور فنی امام کے صراحت کر دینے سے کہ فلاں نے فلاں جگہ تدلیس کی ہے۔

مرسلِ خفی:

هُوَ الْحَدِيْثُ الَّذِىْ رَوَاهُ الرَّاوِىْ عَمَّنْ عَاصَرَهٗ وَلَمْ يَسْمَعْ مِنْهُ وَلَمْ يَلْقَهٗ بِلَفْظٍ يُوْهِمُ السَّمَاعَ۔

وہ حدیث جسے راوی اپنے کسی ایسے ہم عصر سے روایت کرے جس سے سماعت و ملاقات نہ ہوئی ہو ایسے الفاظ کے ساتھ جو سماع کا وہم ڈال دیں۔

مثال:

مَارَوَاهُ ابْنُ مَاجَه مِنْ طَرِيْقِ عُمَرَ بْنِ عَبْدِالْعَزِيْزِ عَنْ عُقْبَةَ بْنِ عَامِرٍ مَرْفُوْعاً "رَحِمَ اللّٰهُ حَارِسَ الْحَرْسِ"

(وہ حدیث جسے ابنِ ماجہ نے عمر بن عبدالعزیز کے طریق سے روایت کیا ہے وہ نقل کرتے ہیں عقبہ بن عامر سے مرفوعاً "اللہ رحم کرے اسلام کے چوکیداروں کی پہریداری کرنے والے پر")

(ابْنُ مَاجَه، بَابُ فَضْلِ الحَرسِ)

وضاحت:

عمر بن عبدالعزیز کی عقبہ بن عامر سے ملاقات نہیں ہوئی لیکن اُنہوں نے اُن سے ایسے لفظ یعنی عَنْ سے روایت کی ہے جس سے سماع کا وہم ہوتا ہے۔

مرسلِ خفی کاحکم:

ضعیف اور نا قابلِ عمل ہے

نوٹ:

اس قسم کی احادیث اسلئے مقبول نہیں ہیں کیونکہ ان میں قبولیت کی شرط "اتصالِ سند" نہیں پائی جارہی ہے۔

نیز ہمیں محذوف راویوں کے ثقہ اور عادل ہونے یا نہ ہونے کا بھی علم نہیں ہے حالانکہ حدیث کی قبولیت کے لئے "راویوں کی عدالت" شرط ہے۔

مرسلِ خفی کی معرفت:

مرسلِ خفی کی معرفت مندرجہ ذیل امور سے ہوتی ہے:

(۱) کسی ماہرِ فن امام کا اس بات کی صراحت کردینا کہ اِس راوی کی مروی عنہ سے ملاقات نہیں ہوئی۔

(۲) راوی کا خود اقرار کرلینا کہ اسکی مروی عنہ سے ملاقات نہیں ہوئی۔

نوٹ:

حدیثِ مردود کی سقط کے اعتبار سے جو چھ قسمیں ہیں انکا بیان ہو چکا اسلئے اب حدیثِ مُعَنْعَنْ اور مُؤَنَّنْ کو ذکر کیا جاتا ہے کیونکہ ان میں راوی کے ساقط ہونے اور نہ ہونے میں اختلاف ہے یعنی ان کے منقطع یا متصل ہونے میں اختلاف ہے۔

مُعَنْعَن:

قَوْلُ الرَّاوِیْ " فُلَانٌ عَنْ فُلَانٍ"

وہ حدیث جسکا راوی " فُلَانٌ عَنْ فُلَانٍ" کہہ کر اسکی سند بیان کرے۔

وضاحت:

وہ حدیث جسکی سند راوی لفظِ " عَــــنْ" کے ذریعہ بیان کرے جو اس بات کا بھی احتمال رکھتا ہے کہ اسنے مروی عنہ سے یہ حدیث خود سنی ہو یعنی یہ حدیث متصل ہو اور یہ بھی احتمال رکھتا ہے کہ خود نہ سنی ہو بلکہ کسی کے واسطے سے سنی ہو اور اس واسطے کو حذف کردیا ہو یعنی یہ حدیث منقطع ہو اور خود وہ کچھ صراحت نہ کرے نہ سماع کی نہ عدمِ سماع کی۔

تنبیہ:

اگر حدیث کی سند میں لفظِ عَنْ مستعمل ہو اگرچہ ایک ہی جگہ ہو تو وہ حدیث معنعن کہلائیگی۔

حدیثِ معنعن کا حکم:

بعض حضرات کہتے ہیں کہ یہ منقطع اور مردود ہے لیکن یہ قول صحیح نہیں ہے۔

صحیح قول یہ ہے کہ حدیثِ معنعن متصل اور مقبول ہے اگر دو شرطیں پائی جائیں:

(۱) لفظِ عَنْ سے روایت کرنے والا مدلّس نہ ہو۔ اگر وہ مدلّس ہوگا تو اسکی روایت متصل اور مقبول نہیں ہوگی۔

(۲) راوی نے جس مروی عنہ سے لفظِ عَنْ کے ساتھ روایت کی ہے اس سے راوی کی ملاقات ثابت ہو اگر چہ ایک ہی دفعہ ہو۔ اگر ایک دفعہ بھی ملاقات ثابت نہ ہو تو اسکی روایت متصل و مقبول نہ ہوگی۔

مثال:

مَا رَوَاهُ ابْنُ مَاجه قَالَ "حَدَّثَنَا عُثْمَانُ بْنُ أَبِيْ شَيْبَةَ، ثَنَا مُعَاوِيَةُ بْنُ هِشَامٍ ثَنَا سُفْيَانُ عَنْ أُسَامَةَ بْنِ زَيْدٍ عَنْ عُثْمَانَ بْنِ عُرْوَةَ عَنْ عُرْوَةَ عَنْ عَائِشَةَ، قَالَتْ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ "إِنَّ اللّٰهَ وَ مَلَائِكَتَهٗ يُصَلُّوْنَ عَلٰى مَيَامِنِ الصُّفُوْفِ"

(وہ حدیث جسے ابنِ ماجہؒ نے روایت کیا، انہوں نے کہا ہمیں بیان کیا عثمان ابنِ ابی شیبہ نے، انہیں بیان کیا معاویہ بن ہشام نے، انہیں بیان کیا سفیان نے، انہوں نے اسامہ بن زید سے، انہوں نے عثمان بن عروہ سے، انہوں نے عروہ سے، انہوں نے حضرت عائشہؓ سے، وہ کہتی ہے کہ رسول اللہؐ نے فرمایا کہ "اللہ تعالی اور اس کے فرشتے صفوں کی دائیں اطراف پر رحمتیں بھیجتے ہیں")

وضاحت:

مذکورہ بالا حدیث میں "سفیان" سے لیکر آخرِ سند تک ہر راوی "عَــنْ" سے روایت بیان کر رہا ہے۔

مؤنّن:

قَوْلُ الرَّاوِيْ" حَدَّثَنَا فُلَانٌ أَنَّ فُلَاناً قَالَ"

وہ حدیث جسکا راوی "حَدَّثَنَا فُلَانٌ أَنَّ فُلَاناً قَالَ" کہہ کر اسکی سند بیان کرے۔

وضاحت:

وہ حدیث جسکی سند راوی مذکورہ بالا طریقہ پر بیان کرے جو اس بات کا بھی احتمال رکھتا ہے کہ اسنے مروی عنہ سے یہ حدیث خود سنی ہو یعنی یہ حدیث متصل ہو اور یہ بھی احتمال رکھتا ہے کہ خود نہ سنی ہو بلکہ کسی کے واسطے سے سنی ہو اور اس واسطے کو حذف کر دیا ہو یعنی یہ حدیث منقطع ہو اور خود وہ کچھ صراحت نہ کرے نہ سماع کی نہ عدمِ سماع کی۔

حدیثِ مؤنن کا حکم:

صحیح قول یہ ہے کہ حدیثِ مؤنن متصل اور مقبول ہے اگر دو شرطیں پائی جائیں:

(۱) اس طریقہ پر روایت کرنے والا مدلِّس نہ ہو۔ اگر وہ مدلِّس ہوگا تو اسکی روایت متصل اور مقبول نہیں ہوگی۔

(۲) راوی نے جس مروی عنہ سے اس طریقہ پر روایت کی ہے اس سے راوی کی ملاقات ثابت ہو اگرچہ ایک ہی دفعہ ہو۔ اگر ایک دفعہ بھی ملاقات ثابت نہ ہو تو اسکی روایت متصل و مقبول نہ ہوگی۔

خبرِ مردود کی اقسام باعتبار طعن کے

اسبابِ طعن:

وہ عیوب جن کے راوی میں پائے جانے سے اسکی حدیث مردود ہو جاتی ہے ۱۰ ہیں:

پانچ عدالت سے متعلق ہیں یعنی عدالت کو ساقط کرتے ہیں اور وہ یہ ہیں

(۱) کذب (۲) تہمتِ کذب (۳) فسق (۴) جہالت

(۵) بدعت

اور دوسرے پانچ ضبط سے تعلق رکھتے ہیں یعنی وہ ضبط میں ضعف کو ثابت کرتے ہیں

اور وہ یہ ہیں: (۱) فُحشِ غلط (۲) کثرتِ غفلت
(۳) وہم (۴) مخالفتِ ثقات (۵) سوءِ حفظ

نوٹ:

ہم خبرِ مردود کی ان اقسام کا جو باعتبار طعن کے ہیں ان اسبابِ طعن کے ضمن میں ہی ذکر کریں گے۔

(۱) کذب:

یعنی رسول اللہ کی طرف بالقصد کوئی جھوٹی بات منسوب کرنا۔ یہ بہت ہی سخت عیب اور بڑا گناہ ہے چاہے کسی مصلحت کے پیشِ نظر ہی کیوں نہ کیا گیا ہو کیونکہ رسول اللہ کی حدیثِ متواتر ہے "مَنْ کَذَبَ عَلَیَّ مُتَعَمِّداً فَلْیَتَبَوَّءْ مَقْعَدَہٗ مِنَ النَّارِ" (جو شخص میری طرف بالقصد کوئی جھوٹی بات منسوب کرے وہ اپنا ٹھکانہ جہنم میں بنالے)

حکم:

جس شخص کے متعلق حدیثِ نبویؐ میں کذب بیانی کا ثبوت ہو جائے اگرچہ یہ کذب بیانی زندگی میں ایک بار ہی ہو تو اسکی توبہ سے پہلے کی تمام روایات تو مردود ہو ہی جائیں گی ساتھ ہی ساتھ توبہ کے بعد بھی اسکی کوئی روایت کبھی قبول نہیں کی جائیگی، یہی متقدمین کا مختار مذہب ہے البتہ متاخرین کہتے ہیں کہ اگر خلوصِ دل سے توبہ کرلے تو توبہ کے بعد کی روایات قبول کی جائیں گی۔

نوٹ:

جس راوی میں یہ عیب (کذب) پایا جائے اسکی حدیث کو موضوع (گھڑی ہوئی) کہتے ہیں

موضوع:

هُوَ الْكِذْبُ الْمُخْتَلَقُ الْمَصْنُوْعُ الْمَنْسُوْبُ إِلٰى رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ

وہ من گھڑت بنایا ہوا جھوٹ جو رسول اللہ کی طرف منسوب ہو۔

مثال:

عَلِیٌّ خَیْرُ الْبَشَرِ مَنْ شَكَّ فِیْهِ كَفَرَ

(حضرتِ علی تمام انسانوں میں سب سے بہتر انسان ہیں اور جس شخص کو اس میں شک ہو وہ کافر ہے)

موضوع حدیث کا رتبہ:

یہ ضعیف احادیث میں سب سے بدتر اور قبیح ہے اور بعض حضرات نے اسے ایک مستقل قسم شمار کیا ہے ضعیف حدیث کی اقسام میں شمار نہیں کیا۔

موضوع حدیث کی روایت کا حکم:

جو شخص کسی حدیث کے موضوع ہونے کو جانتا ہو اسکے لئے جائز نہیں کہ وہ اسکے موضوع ہونے کو بیان کئے بغیر اسے روایت کرے۔

حدیثِ موضوع کی پہچان کے طریقے:

بغیر اسناد میں غور و فکر کئے بھی حدیثِ موضوع کو چند طریقوں سے پہچانا جا سکتا ہے

:

(۱) واضع کے خود حدیث کو گھڑنے کا اقرار کر لینے سے بھی معلوم ہو جاتا ہے کہ یہ حدیث موضوع ہے جیسے ابو عصمہ نوح بن ابی مریم نے اقرار کیا تھا کہ اسنے قران کی سورتوں کے فضائل میں حدیثیں گھڑی ہیں جنہیں وہ حضرت ابنِ عباس کے حوالے سے روایت کرتا ہے۔

(۲) واضع سے کوئی ایسا امر صادر ہو جو اقرار کے قائم مقام ہو مثلاً وہ اپنے شیخ سے کوئی ایسی حدیث روایت کرے جو صرف اسکے اپنے پاس معروف ہو، کسی اور سند سے مروی نہ ہو تو جب اس سے شیخ کی تاریخ ولادت پوچھی جائے تو ایسی تاریخ بتائے جو شیخ کی وفات کے

بھی بعد ہو۔تو اسے سے پتا چل جاتا ہے کہ اس نے یہ حدیث اپنے پاس سے گھڑی ہے۔

(۳) راوی ہی میں اگر کوئی قرینہ ہو تو اس سے بھی حدیث کے موضوع ہونے کا پتا چل جاتا ہے مثلاً اگر کوئی رافضی اہلِ بیت کے فضائل میں کوئی حدیث بیان کرتا ہے اور وہ حدیث صرف اسی کے پاس معروف ہے کسی اور صحیح طریق سے مروی نہیں ہے تو معلوم ہو جاتا ہے کہ اسنے اپنے پاس سے گھڑ لی ہے۔

(۴) مروی ہی میں اگر کوئی قرینہ ہو تو اس سے بھی حدیث کے موضوع ہونے کا پتا چل جاتا ہے مثلاً اس مروی حدیث کے الفاظ بدمزہ ہوں یا وہ حس کے مخالف ہو یا قران کے مخالف ہو۔

بعض مفسرین کی اپنی تفاسیر میں موضوع احادیث کو ذکر کرنے میں خطا:

بعض مفسرین نے اپنی تفاسیر میں احادیثِ موضوعہ بغیر انکے موضوع ہونے کو بیان کئے ذکر کی ہیں خاص طور سے وہ حدیثیں جو قران کی سورتوں کے فضائل سے متعلق ہے اور حضرت ابی بن کعب سے مروی ہے۔

وہ مفسرین یہ ہیں (۱) ثعلبیؒ (۲) واحدیؒ (۳) زمخشریؒ (۴) بیضاویؒ (۵) شوکانیؒ

کاذب کی روایات کا موضوع ہونا ظنی ہے:

کاذب کی روایات کا موضوع ہونا ظنی ہے قطعی نہیں ہے کیونکہ جھوٹا بھی کبھی سچ بول دیتا ہے۔

موضوع کا حکم:

یہ سب سے اعلیٰ درجہ کی مردود ہے۔

(۲) تهمتِ کذب:

یعنی جھوٹ کا الزام۔اس طعن کا مطلب یہ ہے کہ راوی کے متعلق یہ بات تو ثابت نہیں کہ اس نے رسول اللہ ؐ کی طرف کوئی جھوٹی بات منسوب کی ہے لیکن دوسرے ایسے

قرائن پائے جاتے ہیں جن سے یہ بدگمانی ہو جاتی ہے کہ اس نے حدیثِ رسولؐ میں جھوٹ بولا ہے۔

یہ تہمت دو طرح سے لگتی ہے (۱) یہ کہ وہ ایسی حدیث بیان کرتا ہے جو شریعتِ مطہرہ کے قواعدِ معلومہ (وحدانیت، رسالت، ختمِ نبوت اور نماز زکوٰۃ کی فرضیت وغیرہ) کے خلاف ہوتی ہے۔ جس سے یہ شبہ ہوتا ہے کہ اس نے یہ اپنی طرف سے گھڑلی ہے۔ (۲) یہ کہ اسکا رسول اللہ کی طرف تو کسی جھوٹی بات کی نسبت کرنا ثابت نہیں لیکن اپنے عام معاملات میں جھوٹ کا عادی ہونا ثابت ہے تو یہ بدگمانی ہو جاتی ہے کہ اس نے حدیثِ رسولؐ میں بھی جھوٹ بولا ہوگا۔

نوٹ:

اس شخص کی حدیث جو متّہم بالکذب ہو متروک (چھوڑی ہوئی) کہلاتی ہے۔

متروک:

هُوَ الْحَدِيْثُ الَّذِيْ فِيْ إِسْنَادِهٖ رَاوٍ مُتَّهَمٌ بِالْكِذْبِ

وہ حدیث ہے جس کی سند میں ایسا راوی ہو جس پر کذب کا الزام ہو۔

مثال:

حَدِيْثُ عَمْرِو بْنِ شَمِرٍ الْجُعَفِيِّ الْكُوْفِيِّ عَنْ جَابِرٍ عَنْ أَبِيْ الطُّفَيْلِ عَنْ عَلِيٍّ وَعَمَّارٍ قَالَا: كَانَ النَّبِيُّ ﷺ يَقْنُتُ فِيْ الْفَجْرِ وَيُكَبِّرُ يَوْمَ عَرَفَةَ مِنْ صَلٰوةِ الْغَدَاةِ وَيَقْطَعُ صَلٰوةَ الْعَصْرِ آخِرَ أَيَّامِ التَّشْرِيْقِ

(عَمْرِو بْنِ شَمِرٍ الْجُعَفِيِّ الْكُوْفِيِّ کی حدیث: جو جابر سے، وہ ابو طفیل سے، وہ علی اور عمار سے روایت کرتے ہیں: علی اور عمار فرماتے ہیں کہ: حضورؐ فجر میں قنوت پڑھتے تھے اور عرفہ کے دن صبح کی نماز سے تکبیرات پڑھنا شروع کر دیتے اور ایامِ تشریق کے آخری دن عصر کی نماز کے وقت ختم کرتے)۔ امام نسائی اور دارِ قطنیؒ فرماتے ہیں عَمْرِو

بْنِ شَمِرٍ متروک الحدیث ہے۔

مردود احادیث کے مراتب:

یہ بات گذر چکی ہے کہ ضعیف کی سب سے بدترقسم موضوع ہے اور اسکے بعد متروک ہے، اسکے بعد منکر ہے، اسکے بعد معلل ہے، اسکے بعد مدرج ہے، اسکے بعد مقلوب ہے ،اسکے بعد مضطرب ہے۔ اور یہ سب کی سب مردود ہیں ۔حافظ ابنِ حجر نے یہی ترتیب بیان کی ہے۔

متروک کا حکم:

یہ موضوع کے بعد دوسرے نمبر کی مردود ہے۔

لیکن:

متہم بالکذب اگر صدقِ دل سے توبہ کرلے اور سچائی کی علامات اس سے ظاہر ہو جائیں تو اسکی روایات آئندہ قبول کی جائیگی۔

تنبیہ:

اگر راوی کا رسول اللہ ؐ کی طرف کوئی جھوٹی بات منسوب کرنا ثابت ہو تو وہ ''کذب'' کہلائیگا اور اسکا حکم گذر چکا۔ اور اگر رسول اللہ کی طرف تو کسی جھوٹی بات کی نسبت کرنا ثابت نہیں لیکن اپنے عام معاملات میں جھوٹ کا عادی ہونا ثابت ہے تو وہ ''تہمتِ کذب'' کہلائیگا اور اسکا بھی حکم گذر چکا۔ اور اگر نہ رسول اللہ کی طرف جھوٹ کی نسبت کرنا ثابت ہے اور نہ ہی اپنے عام معاملات میں جھوٹ کا عادی ہونا ثابت ہے بلکہ کبھی کبھار جھوٹ بولنا ثابت ہے تو اس طرح کے قلیل الوجود جھوٹ سے اسکی روایات موضوع یا متروک نہیں کہلائیں گی بلکہ قبول کی جائیں گی ہاں جھوٹ کا گناہ بہر حال ہوگا۔

(۳) فحشِ غلط:

یعنی غلطیوں کی کثرت۔ یہ طعن اس شخص پر لگتا ہے جسکی غلط بیانی صحت بیانی سے زائد

ہو

(٤) کثرتِ غفلت:

یعنی بہت زیادہ غفلت ۔ یہ طعن اس راوی پر لگتا ہے جو حدیث کو اچھی طرح محفوظ کرنے میں اکثر غفلت برتتا ہو

وضاحت:

کثرتِ غفلت کا تعلق حدیث کو سننے اور اخذ کرنے سے ہے اور فحشِ غلط کا تعلق حدیث کے سنانے اور دوسرے تک پہنچانے سے ہے ۔ اب مطلب یہ ہوا کہ کثرتِ غفلت کے ساتھ وہ شخص مطعون ہوتا ہے جو حدیث کے حصول و اخذ ہی میں غفلت برتتا ہے اور فحشِ غلط کے ساتھ وہ شخص مطعون ہوتا ہے جو حدیث کے حصول و اخذ میں تو غلطی نہیں کرتا لیکن اسکے دوسرے تک پہنچانے میں غلطی کرتا ہے۔

(٥) فسق:

یعنی بد دین ہونا ۔ یہ طعن اس شخص پر لگتا ہے جو کسی قولی یا فعلی گناہِ کبیرہ کا مرتکب ہوتا ہے مثلاً زنا چوری وغیرہ کرتا ہے یا ایسے کلمات بکتا ہے جو کفر کا وہم ڈالتے ہیں یا نہایت گندی گالی گلوچ کرتا ہے یا وہ کسی گناہِ صغیرہ کا عادی ہے۔

نوٹ:

یہاں فسق سے مراد فسقِ عملی ہے جیسا کہ ابھی گذرا فسقِ اعتقادی مراد نہیں ہے کیونکہ وہ بدعت میں داخل ہے۔

تنبیہ:

کذب بھی اگرچہ فسق میں داخل ہے لیکن اسے علحیدہ اسلئے ذکر کیا جاتا ہے کیونکہ وہ سب سے بڑا اور شدید طعن ہے۔

نوٹ:

جس راوی پر فحشِ غلط، کثرتِ غفلت اور فسق کا طعن لگتا ہے اسکی روایت کو منکر کہتے ہیں۔

حدیثِ منکر کی دونوں تعریفیں:

(١)هُوَ الْحَدِيْثُ الَّذِيْ فِيْ إِسْنَادِهِ رَاوٍ فَحُشَ غَلَطُهٗ أَوْ كَثُرَتْ غَفْلَتُهٗ أَوْظَهَرَ فِسْقُهٗ

وہ حدیث ہے جس کی سند میں ایسا راوی ہو جو فحشِ غلط، کثرتِ غفلت اور فسق کے ساتھ مطعون ہو۔جیسا کہ ابھی ''نوٹ'' کے ضمن میں گذرا۔

(٢)هُوَ مَارَوَاهُ الضَّعِيْفُ مُخَالِفاً لِمَارَوَاهُ الثِّقَةُ

ضعیف کی وہ روایت جو ثقہ کی روایت کے مخالف ہو۔

نوٹ:

یہی دوسری تعریف علامہ ابنِ حجر کے نزدیک معتمد ہے۔

منکر کی مثال معتمد تعریف کے اعتبار سے :

مَارَوَاهُ ابْنُ أَبِيْ حَاتِمٍ مِنْ طَرِيْقِ حُبَيِّبِ بْنِ حَبِيْبٍ الزَّيَّاتِ عَنْ أَبِيْ إِسْحَاقَ عَنِ الْعَيْزَارِ بْنِ حُرَيْثٍ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ:''مَنْ أَقَامَ الصَّلٰوةَ وَ آتَى الزَّكٰوةَ وَحَجَّ الْبَيْتَ وَصَامَ وَقَرَى الضَّيْفَ دَخَلَ الْجَنَّةَ''

وہ حدیث جو ابنِ ابی حاتم حُبَيِّب بن حَبِيْب زيات سے، وہ ابو اسحاق سے اور ابو اسحاق عَیْزار سے اور وہ ابنِ عباس سے روایت کرتے ہیں کہ نبیؐ نے فرمایا ''جو نماز قائم کرے اور زکوٰۃ دے اور حج کرے اور روزے رکھے اور مہمان کی ضیافت کرے وہ جنت میں داخل ہوگا''

ابو حاتم کہتے ہیں کہ یہ منکر ہے کیونکہ حُبَيِّب بن حَبِيْب زيات اگرچہ اسے متصلاً روایت کرتے ہیں لیکن ان کے علاوہ دوسرے رواۃ جو ثقہ ہیں وہ اسے ابو اسحاق سے

موقوفاً روایت کرتے ہیں اور ثقات کی یہ موقوف روایت معروف کہلائیگی۔

معروف:

هُوَ مَارَوَاهُ الثِّقَةُ مُخَالِفاً لِمَارَوَاهُ الضَّعِيْفُ

ثقہ کی وہ روایت جو ضعیف کی روایت کے مخالف ہو۔

مثال:

”مَنْ أَقَامَ الصَّلوٰةَ وَ آتَى الزَّكوٰةَ وَحَجَّ الْبَيْتَ وَصَامَ وَقَرَى الضَّيْفَ دَخَلَ الْجَنَّةَ“

یہ حدیث حُبَيِّب بن حَبِيْب زيات کے طریق سے متصل ہے اور منکر کی مثال ہے اور ان ثقات کے طریق سے جو اسے ابو اسحاق سے روایت کرتے ہیں موقوف ہے اور معروف کی مثال ہے۔

نوٹ:

یہ منکر کے مقابل ہے۔

منکر و معروف کا حکم:

منکر موضوع اور متروک کے بعد تیسرے درجہ کی مردود ہے اور معروف مقبول ہے۔

نوٹ:

معروف اگرچہ مقبول کی اقسام میں سے ہے لیکن چونکہ وہ منکر کے مقابل ہے اسلئے ہم نے اسے یہاں مردود کی اقسام میں ذکر کر دیا ہے تاکہ منکر کی تعریف صحیح طور پر سمجھ میں آجائے۔

شاذ:

مَارَوَاهُ الْمَقْبُوْلُ مُخَالِفاً لِمَارَوَاهُ مَنْ هُوَ أَوْلىٰ مِنْهُ

ثقہ کی وہ روایت جو خود سے زیادہ ثقہ کی روایت کے مخالف ہو۔

محفوظ:

مَارَوَاهُ الْأَوْثَقُ مُخَالِفاً لِرِوَايَةِ الثِّقَةِ

اوثق کی وہ روایت جو ثقہ کی روایت کے مخالف ہو۔

نوٹ:

یہ شاذ کے مقابل ہے۔

شاذ اور منکر میں فرق:

منکر کا راوی ضعیف ہوتا ہے اور شاذ کا راوی ثقہ ہوتا ہے۔

نوٹ:

یہ شذوذ سند میں بھی ہوتا ہے اور متن میں بھی یعنی کبھی ثقہ اوثق کی مخالفت سند میں کرتا ہے اور کبھی متن میں

سند میں شاذ کی مثال:

مَارَوَاهُ التِّرمِذِیُّ وَالنَّسَائِیُّ وَابْنُ مَاجه،مِنْ طَرِیْقِ ابْنِ عُیَیْنَةَ عَنْ عَمْرٍو بْنِ دِیْنَارٍ عَنْ عَوْسَجَةَ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ "أَنَّ رَجُلاً تُوُفِّیَ عَلیٰ عَهْدِ رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ وَلَمْ یَدَعْ وَارِثاً إِلَّامَوْلیً هُوَ أَعْتَقَهٗ"

(ترمذی،نسائی اور ابنِ ماجہ کی وہ روایت جو ابنِ عیینہ کی طریق سے ہے وہ عمرو بنِ دینار سے،وہ عوسجہ سے،وہ ابنِ عباس سے روایت کرتے ہیں کہ "ایک آدمی رسول اللہ کے زمانے میں فوت ہوگیا سوائے ایک غلام کے جسے اس نے آزاد کیا تھا کوئی وارث نہیں چھوڑا"

ابنِ عیینہ کے طریق سے یہ حدیث متصل ہے اور حماد بن زید کے طریق سے یہ متصل نہیں ہے کیونکہ وہ اسے عمرو بن دینار سے اور وہ عوسجہ سے روایت کرتے ہیں اور انکے طریق میں ابنِ عباس کا ذکر نہیں ہے تو یہاں حماد بن زید ثقہ ہیں لیکن انہوں نے اپنے سے

زیادہ ثقہ لوگوں کی مخالفت کی ہے

نوٹ:

ابنِ عیینہ کی طرف ثقات کی تعداد زیادہ ہے اسلئے انکا فریق حماد بن زید سے زیادہ ثقہ ہوجاتا ہے۔حماد بن زید کی روایت شاذ ہے کیونکہ وہ ثقہ ہیں اور اوثق (فریقِ ابنِ عیینہ) کی مخالفت کررہے ہیں اور ابنِ عیینہ کی روایت محفوظ ہے کیونکہ وہ اوثق ہیں اور ثقہ (حماد بن زید) کی مخالفت کررہیں۔

متن میں شذوذ کی مثال :

مَـارَوَاهُ أَبُـوْدَاوُدَ وَالتِّرْمِذِيُّ مِنْ حَدِيْثِ عَبْدِ الْوَاحِدِ بْنِ زِيَادٍعَنِ الأَعْمَشِ عَـنْ أَبِـيْ صَالِحٍ عَنْ أَبِيْ هُرَيْرَةَمَرْفُوْعاً "إِذَاصَلّٰى أَحَدُكُمْ الْفَجْرَ فَلْيَضْطَجِعْ عَنْ يَمِيْنِهٖ"

(ابوداؤد اور ترمذی کی وہ روایت جو عبدالواحد بن زیاد کے طریق سے ہے،وہ اعمش سے،وہ ابوصالح سے،وہ ابوہریرہؓ سے روایت کرتے ہیں آپؐ نے فرمایا''جب کوئی تم میں سے فجر کی نماز پڑھ لےتو وہ دائیں طرف لیٹ جائے''

عبدالواحد جو ثقہ ہیں ان کے طریق سے معلوم ہوتا ہے کہ''فجر کی نماز کے بعد دائیں طرف لیٹ جانا'' آپؐ کےقول سے ثابت ہے اور ثقات کی ایک جماعت جو ثقاہت میں عبدالواحد سے بڑھکر ہے اِسے آپکا فعل بتاتی ہےتو ثقہ (عبدالواحد) کی روایت اوثق کی روایت کے مخالف ہے اسلئے عبدالواحد کی روایت شاذ کہلائیگی اور مردود ہوگی اور ثقات کی روایت محفوظ کہلائیگی اور مقبول ہوگی یعنی یہی کہا جائیگا کہ''فجر کی نماز کے بعد دائیں طرف لیٹ جانا'' آپکا فعل ہےقول نہیں ہے۔

شاذ و محفوظ کا حکم:

شاذ مردود ہےاور محفوظ مقبول ہے۔

نوٹ:

محفوظ اگر چہ مقبول کی اقسام میں سے ہے لیکن چونکہ وہ شاذ کے مقابل ہے اسلئے ہم نے اسے یہاں مردود کی اقسام میں ذکر کردیا ہے تا کہ شاذ کی تعریف صحیح طور پر سمجھ میں آجائے۔

(٦) وھم:

بھولے سے سند یا متن میں تغیر وتبدل کر دینا مثلاً حدیثِ مرسل یا منقطع کو متصل کر دینا یا ضعیف راوی کی جگہ ثقہ راوی کا نام لے دینا یا ایک حدیث کے ٹکڑے کو دوسری حدیث میں داخل کر دینا یا حدیث میں کمی بیشی کر دینا وغیرہ۔

وہم کی شناخت:

وہم کی شناخت انتہائی دقیق اور غامض فن ہے اس کا پتا وہی لگا سکتا ہے جسے وسیع علم وفہم، رواۃِ حدیث اور اسانید ومتون کی معرفت تامہ حاصل ہو۔

نوٹ:

جو راوی ''وہم'' کے ساتھ مطعون ہوتا ہے اسکی روایت کو معلَّل کہتے ہیں۔

معلَّل:

هُوَ الْحَدِيْثُ الَّذِيْ اُطُّلِعَ فِيْهِ عَلٰى عِلَّةٍ تَقْدَحُ فِيْ صِحَّتِهٖ مَعَ أَنَّ الظَّاهِرَ السَّلَامَةُ مِنْهَا

وہ حدیث جو بظاہر تو صحیح سالم ہو لیکن اسکی سند یا متن میں ایسی پوشیدہ خامی پائے جائے جو اسکی صحت کو مجروح کر دے۔

وضاحت:

جس علت سے حدیث معلل ہو جاتی ہے اسمیں دو شرطوں کا پایا جانا ضروری ہے (١) وہ علت پوشیدہ ہو ظاہر نہ ہو اگر ظاہر ہو گی تو اسکی وجہ سے حدیث کو معلل نہیں کہیں گے (٢)

وہ حدیث کی صحت کو مجروح کردے اگر وہ پوشیدہ تو ہو لیکن حدیث کی صحت میں عیب پیدا نہ کرے تو بھی اس سے حدیث معلل نہیں ہوگی۔ تو اب معلوم ہوگیا کہ حدیثِ معلل وہ حدیث ہے جسمیں کوئی ظاہری علت تو نہیں ہوتی لیکن ایسی پوشیدہ علت ہوتی ہے جو اسکی صحت میں عیب پیدا کردیتی ہے۔

تنبیه:

یہ جسکا ابھی ذکر ہوا ہے معللِ اصطلاحی ہے لیکن کبھی اس حدیث کو بھی معلل کہہ دیا جاتا ہے جسمیں علتِ ظاہرہ ہو یا ایسی پوشیدہ علت ہو جو صحت کو مجروح نہ کرے۔

نوٹ:

علتوں سے بحث ایسی حدیثوں میں کی جاتی ہے جن میں صحت کی شرائط موجود ہوں، اگر ان میں کوئی علت پائی جائیگی تو ان کی صحت مجروح ہوجائیگی۔ رہی بات ضعیف حدیثوں کی تو اُنکی صحت تو پہلے ہی مجروح ہے اسلئے اُن میں علتوں سے متعلق بحث کرنے کی ضرورت نہیں۔

علت کہاں واقع ہوتی ہے:

(۱) علت یعنی ایسی پوشیدہ خامی جو حدیث کی صحت کو مجروح کردے عموماً اسناد میں ہوتی ہے جیسے حدیث کا مرسل ہونا، یہ ایسی علت ہے جسکا تعلق سند سے ہے کیونکہ مرسل ہونے کا مطلب یہ کہ سند کے آخر سے تابعی کے بعد کے کسی راوی کو حذف کردیا جائے۔

(۲) علت یعنی ایسی پوشیدہ خامی جو حدیث کی صحت کو مجروح کردے کبھی متن میں بھی واقع ہوتی ہے جیسے "الطِّيَرَةُ مِنَ الشِّرْكِ وَمَا مِنَّا إِلَّا، وَلٰكِنَّ اللّٰهَ يُذْهِبُهُ بِالتَّوَكُّلِ" (بدفالی شرک ہے اور ہم میں سے ہر ایک کو یہ پیش آتی ہے مگر چونکہ ہم اللہ پر توکل کرتے ہیں اسلئے اللہ اسکا اثر زائل کردیتے ہیں)۔ اس حدیث کے متن میں علت ہے کیونکہ حضرت ابنِ مسعود کے علاوہ دوسرے روات سے صدرِ حدیث (الطِّيَرَةُ مِنَ

الشِّرْكِ) تو منقول ہے لیکن '' وَمَا مِنَّا إلَّا، وَلٰكِنَّ اللّٰهَ يُذْهِبُهٗ بِالتَّوَكُّلِ'' منقول نہیں ہے

۔

کیا سند کی علت متن میں عیب پیدا کرتی ہے:

سند کی علت کبھی تو متن میں بھی عیب پیدا کر دیتی ہے جیسے حدیث کا مرسل ہونا ایسی علت ہے جو سند کے ساتھ ساتھ متن کو بھی معلول ومجروح کر دیتی ہے۔

اور کبھی صرف سند ہی میں عیب پیدا کرتی ہے، متن میں عیب پیدا نہیں کرتی۔ جیسے یَعلیٰ بن عُبید کی حدیث ''اَلْبَيِّعَانِ بِالْخِيَارِ'' وہ اسکی سند بیان کرتے ہے ''عَنِ الثَّوْرِيِّ عَنْ عَمْرِو بْنِ دِيْنَارٍ عَنِ ابْنِ عُمَرَ مَرْفُوْعاً'' تو اسکا متن تو صحیح ہے معلول ومجروح نہیں ہے لیکن انہیں سند میں وہم ہو گیا ہے کہ سفیان ثوری نے عمرو بن دینار سے روایت کی ہے حالانکہ انہونے عمرو بن دینار سے روایت نہیں کی بلکہ عبداللہ بن دینار سے روایت کی ہے لیکن چونکہ عمرو بن دینار اور عبداللہ بن دینار دونوں ہی ثقہ ہیں اسلئے متن کی صحت پر کوئی اثر نہیں پڑیگا کیونکہ ثقہ کو ثقہ سے بدلنا متن کی صحت میں مضر نہیں ہاں البتہ سند معلول ہو جائیگی۔

معلل کا حکم:

موضوع، متروک اور منکر کے بعد چوتھے نمبر کی مردود ہے۔

(۷) مخالفتِ ثقات:

کسی راوی کی روایت کا اپنے سے اولیٰ وارجح کی روایت کے خلاف ہونا۔ یہ اختلاف بالعموم سند میں ہوتا ہے لیکن کبھی متن میں بھی ہوتا ہے اور سند کا یہ اختلاف کبھی تو سند اور متن دونوں میں قدح اور عیب پیدا کر دیتا ہے اور کبھی صرف سند کو عیب دار اور معلول کر دیتا ہے اور متن پر اسکا کوئی اثر نہیں ہوتا۔

مخالفتِ ثقات کی چھ قسمیں ہیں

(۱)مدرج الاسناد (۲)مدرج المتن (۳)مقلوب

(۴)مزید فی متصل الاسانید (۵)مضطرب (۶)مصحّف ومحرَّف

نوٹ:

مدرج کے معنی مدخول (داخل کیا ہوا)

(۱)مدرج الإسناد:

مَاغُيِّرَ سِيَاقُ إسْنَادِهٖ

وہ حدیث ہے جس میں سیاقِ سند بدل جانے کی وجہ سے ثقہ کی مخالفت ہو جائے

اسکی چار قسمیں ہیں

(۱) متعدد اساتذہ سے مختلف سندوں کے ساتھ ایک حدیث سنی مگر بیان کے وقت ہر استاذ کی سند علیحدہ بیان نہ کی بلکہ سب کی سندوں کو ملا کر ایک سند کر دی۔

(۲) راوی کے شیخ نے حدیث کسی سند سے روایت کی اور اسکا کچھ حصہ دوسری سند سے بیان کیا مگر راوی نے پوری حدیث پہلی ہی سند سے روایت کر دی۔

یا ایک حدیث کسی شیخ سے سنی اور اسکا کچھ حصہ اسکے کسی شاگرد سے سنا پھر پوری حدیث شیخ کی سند سے روایت کر دی اور شاگرد کا واسطہ حذف کر دیا۔

(۳) کسی راوی کے پاس دو حدیثیں مختلف سندوں سے تھیں مگر بیان کے وقت ایک ہی سند سے دونوں کو روایت کر دیا یا ایک حدیث کو تو اسکی مخصوص سند کے ساتھ بیان کر دیا مگر دوسری حدیث کا کچھ حصہ اسمیں شامل کر دیا۔

(۴) شیخ نے کسی حدیث کی سند بیان کی پھر متن کو بیان کرنے سے پہلے کوئی کلام کیا شاگرد نے غلط فہمی سے اس کلام کو اس سند کا متن سمجھا اور اس سند سے روایت کر دیا۔

مدرج الإسناد کی مثال:

قِصَّةُ ثَابِتِ بْنِ مُوْسَى الزَّاهِدِ فِيْ رِوَايَتِهٖ "مَنْ كَثُرَتْ صَلَاتُهٗ بِاللَّيْلِ حَسُنَ

وَجْهُهٗ بِالنَّهَارِ"

اس قصہ کی اصل یہ ہے کہ ثابت بن موسیٰ، شریک بن عبداللہ قاضی کے پاس آئے وہ املا کرار ہے تھے تو انہوں نے یہ سند "حَدَّثَنَا الأعْمَشُ عَنْ أَبِيْ سُفْيَانَ عَنْ جَابِرٍ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ" ذکر کی اور خاموش ہو گئے تا کہ طلبہ لکھ لیں، پھر ثابت بن موسیٰ انکی درسگاہ میں داخل ہوئے تو انہوں نے ثابت بن موسیٰ کے زہد و پرہیز گاری کو بیان کرنے کے لئے کہا کہ "مَنْ كَثُرَتْ صَلَاتُهٗ بِاللَّيْلِ حَسُنَ وَجْهُهٗ بِالنَّهَارِ" تو ثابت بن موسیٰ نے سمجھا کہ یہ مذکور سند کا متن ہے اور وہ اسے سندِ مذکور کے ساتھ روایت کرنے لگے۔

(۲) مدرج المتن:

مَا أُدْخِلَ فِيْ مَتْنِهٖ مَا لَيْسَ مِنْهُ بِلَا فَصْلٍ

حدیث کے متن میں کچھ اور اس طرح سے داخل کر دینا کہ اس متن اور اُس مدرج میں کوئی امتیاز باقی نہ رہے (خواہ وہ مدرج ومدخول صحابی کا قول ہو یا کسی اور کا)

متن میں ادراج کی صورتیں:

(ا) متن کے شروع میں کچھ داخل کر دینا۔ یہ قلیل ہے لیکن اسکا وقوع متن کے وسط میں ادراج سے زیادہ ہے۔

مثال:

مَا رَوَاهُ الْخَطِيْبُ مِنْ رِوَايَةِ أَبِيْ قَطَنٍ وَشَبَابَةَ ـ فَرَّقَهُمَا ـ عَنْ شُعْبَةَ عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ زِيَادٍ عَنْ أَبِيْ هُرَيْرَةَ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ "أَسْبِغُوْا الْوُضُوْءَ، وَيْلٌ لِّلْأَعْقَابِ مِنَ النَّارِ"

وہ حدیث جسے خطیب نے روایت کیا ہے ابو قطن اور شبابہ کے طریق سے۔ اور انہوں نے ان دونوں کے طریق کو الگ الگ بیان کیا ہے۔ یہ شعبہ سے، وہ محمد بن زیاد سے، وہ حضرت ابو ہریرہ سے روایت کرتے ہیں کہ آپ ؐ نے فرمایا کہ: "وضوء مکمل کرو، خشک

ایڑیوں کے لئے ہلاکت ہے آگ سے"

اس مثال میں "أَسْبِغُوْا الْوُضُوْءَ" جو متن کے شروع میں اس طرح داخل کر دیا گیا ہے کہ متنِ حدیث اور مدرج میں کوئی امتیاز نہیں رہا یہ حضرت ابو ہریرہ کا قول ہے کیونکہ بخاری کی روایت میں حضرت ابو ہریرہ سے منقول ہے کہ "أَسْبِغُوْا الْوُضُوْءَ"فَإِنَّ أَبَا الْقَاسِمِ ﷺ قَالَ "وَيْلٌ لِّلْأَعْقَابِ مِنَ النَّارِ" تو اس سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ آپ ؐ کا قول صرف "وَيْلٌ لِّلْأَعْقَابِ مِنَ النَّارِ" ہے۔

(۲) متن کے وسط میں کچھ داخل کر دینا۔ اسکا وقوع سب سے کم ہے۔

مثال:

كَانَ النَّبِيُّ ﷺ يَتَحَنَّثُ فِيْ غَارِ حِرَاءَ-وَهُوَ التَّعَبُّدُ-اللَّيَالِيَ ذَوَاتِ الْعَدَدِ

رسول اللہ ؐ غارِ حراء میں مسلسل کئی راتیں عبادت کیا کرتے تھے-تحنث کے معنی تعبد کے ہیں-

"وَهُوَ التَّعَبُّدُ" زہری کا کلام ہے اور متن کے درمیان میں اس طرح داخل کر دیا گیا ہے کہ متنِ حدیث اور مدرج میں کوئی امتیاز نہیں رہا۔

(۳) متن کے آخر میں کچھ داخل کر دینا۔ اسکا وقوع سب سے زیادہ ہے۔

مثال:

حَدِيْثُ أَبِيْ هُرَيْرَةَ مَرْفُوْعاً "لِلْعَبْدِ الْمَمْلُوْكِ أَجْرَانِ ،وَالَّذِيْ نَفْسِيْ بِيَدِهٖ لَوْلَا الْجِهَادُ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَالْحَجُّ وَبِرُّ أُمِّيْ لَأَحْبَبْتُ أَنْ أَمُوْتَ وَأَنَا مَمْلُوْكٌ "

(حضرت ابو ہریرہ کی مرفوع روایت ہے کہ ''غلام بندہ کے لئے دو اجر ہیں، اور اس ذات کی قسم جسکے قبضہ میں میری جان ہے اگر اللہ کی راہ میں جہاد، حج اور ماں سے حسنِ سلوک کرنا نہ ہوتا تو میں غلامی کی حالت میں موت کو پسند کرتا'')

اس مثال میں وَالَّذِيْ نَفْسِيْ بِيَدِهٖ لَوْلَا الْجِهَادُ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَالْحَجُّ وَبِرُّ

أُمِّیْ لَأَحْبَبْتُ أَنْ أَمُوْتَ وَأَنَا مَمْلُوْكٌ "حضرت ابو ہریرہ کا کلام ہے اور متنِ حدیث کے آخر میں ہے کیونکہ رسول اللہ سے ایسے کلام کا صادر ہونا محال ہے، اسلئے کہ یہ ممکن نہیں کہ آپؐ غلامی کی تمنا کریں اور اس لئے بھی کہ آپؐ کی والدہ حیات نہیں تھی کہ آپؐ انکے ساتھ حسنِ سلوک کرتے۔

ادراج کے اسباب:

(۱) حدیث میں جو حکمِ شرعی مذکور ہے اسکی وضاحت کے لئے ادراج کر دیا جاتا ہے۔

(۲) حدیث کے پورا ہونے سے پہلے کسی حکمِ شرعی کا استنباط کیا جاتا ہے جسکی وجہ سے حدیث میں ادراج ہو جاتا ہے۔

(۳) کسی مشکل لفظ کی وضاحت کے لئے بھی ادراج کر دیا جاتا ہے۔

ادراج کا ادراک کیسے ہوگا:

ادراج کا ادراک چند امور سے ہوتا ہے: ان میں سے کچھ یہ ہیں

(۱) حدیث کا دوسرے طریق سے بغیر مدرج کلام کے آنا۔ اس سے معلوم ہو جاتا ہے کہ اِس طریق سے حدیث میں جو زائد کلام ہے وہ مدرج ہے۔

(۲) بعض ماہرین ائمہ اگر اس بات کی صراحت کر دیں کہ یہ کلام مدرج ہے تو اس سے بھی ادراج کا ادراک ہو جاتا ہے۔

(۳) راوی اگر یہ اقرار کر لے کہ اس نے یہ کلام خود داخل کیا ہے تو اس سے بھی ادراج کا ادراک ہو جاتا ہے۔

(۴) اگر کوئی کلام ایسا ہو جسکا صادر ہونا آپؐ سے محال ہو تو معلوم ہو جاتا ہے کہ وہ راوی کا ادراج ہے آپؐ کا کلام نہیں ہے۔

حدیثِ مدرج کا حکم:

موضوع، متروک، منکر اور معلل کے بعد پانچویں نمبر کی مردود ہے اگر راوی عمداً ادراج کرے یا اس سے ادراج بلاقصد غلطی سے ہوجائے، ہاں اگر ادراج کسی غریب لفظ کی وضاحت کے ذریعہ ہوتو وہ مردود نہیں ہوگی۔

نوٹ:

مدرج مردود اسلئے ہے کیونکہ راوی ادراج کر کے ثقات کی مخالفت کرتا ہے۔

فعلِ ادراج کا حکم:

علمائے محدثین اور فقہاء وغیرہ کا اس بات پر اجماع ہے کہ عمداً ادراج حرام ہے کیونکہ اس سے غیر کے کلام کو آپکا کلام بنا کر پیش کیا جاتا ہے۔ ہاں اگر ادراج کسی غریب (مشکل) لفظ کی وضاحت کے لئے ہوتو وہ ممنوع نہیں ہے، اسی وجہ سے امام زہری وغیرہ نے بہت سے موقعوں پر غریب لفظ کی وضاحت کی ہے، لیکن اسمیں بھی بہتر یہ ہے کہ اس طرح کا ادراج کرنے والا بھی کلامِ مدرج کی نشاندہی کردے۔

اور اگر راوی سے ادراج بلاقصد غلطی سے ہوجائے تو وہ اسمیں معذور ہے لیکن اگر اس سے ادراج زیادہ ہونے لگ جائے تو وہ ضعیف ہوجائیگا۔

(۳) مقلوب:

إِبْدَالُ لَفْظٍ بِآخَرَ فِيْ سَنَدِ الْحَدِيْثِ أَوْمَتْنِهٖ بِتَقْدِيْمٍ أَوْ تَاخِيْرٍ وَنَحْوِهٖ

وہ حدیث ہے جسکی سند یعنی راویوں کے ناموں میں یا متنِ حدیث میں الٹ پھیر ہوگئی ہو۔

سند یعنی راویوں کے ناموں میں الٹ پھیر کی مثال جیسے مُرۃ بن کَعب کی جگہ کعب بن مرۃ

متنِ حدیث میں الٹ پھیر کی مثال جیسے حَتّٰى لَا تَعْلَمَ شِمَالُهٗ مَا تُنْفِقُ يَمِيْنُه' کی جگہ حَتّٰى لَا تَعْلَمَ يَمِيْنُهٗ مَا تُنْفِقُ شِمَالُهٗ

قلب کے اسباب:

(۱) کبھی راوی حدیث کی سند یعنی راویوں کے ناموں میں یا متنِ حدیث میں الٹ پھیر اسلئے کرتا ہے تا کہ اسکی حدیث عجیب اور بالکل الگ معلوم ہو اور لوگ اس سے حدیث روایت کرنے اور اور اخذ کرنے میں رغبت کریں۔ایسے راوی کو ''حدیث چور'' کہا جاتا ہے۔

(۲) کبھی راوی کسی کا امتحان لینے کے لئے کہ اس نے سند و متن محفوظ کر رکھا ہے یا نہیں؟ سند و متن میں تغیر و تبدل کرتا ہے جیسے امام بخاریؒ کے حفظ کا امتحان لینے کے لئے علمائے بغداد نے ایک سو حدیثوں کو سند بدل کر پیش کیا تھا اور حضرت امام صاحبؒ نے سب کی غلطی پکڑ لی تھی اور صحیح سندیں بیان فرمادی تھیں۔

(۳) کبھی راوی سے حدیث کی سند یعنی راویوں کے ناموں میں یا متنِ حدیث میں الٹ پھیر بلا قصد غلطی سے ہو جاتی ہے۔

قلب کا حکم:

(۱) اگر راوی حدیث کی سند یعنی راویوں کے ناموں میں یا متنِ حدیث میں الٹ پھیر اسلئے کرتا ہے تا کہ اسکی حدیث عجیب اور بالکل الگ معلوم ہو تو یہ بالکل بھی جائز نہیں ہے۔

(۲) اور اگر راوی کسی کا امتحان لینے کے لئے کہ اس نے سند و متن محفوظ کر رکھا ہے یا نہیں؟ سند و متن میں تغیر و تبدل کرتا ہے تو یہ جائز ہے مگر شرط یہ ہے کہ ضرورت ختم ہوتے ہی تصحیح کر دی جائے۔

(۳) اور اگر راوی سے حدیث کی سند یعنی راویوں کے ناموں میں یا متنِ حدیث میں الٹ پھیر بلا قصد غلطی سے ہو جائے تو وہ اسمیں معذور ہے لیکن اگر اس سے الٹ پھر زیادہ ہونے لگ جائے تو وہ ضعیف ہو جائیگا۔

حدیثِ مقلوب کا حکم :

موضوع، متروک، منکر، معلل اور مدرج کے بعد چھٹے نمبر کی مردود ہے۔

نوٹ:

مقلوب مردود اسلیئے ہے کیونکہ راوی قلب کر کے ثقات کی مخالفت کرتا ہے۔

(٤)مزید فی متصل الاسانید:

هُوَ أَنْ يَزِيْدَ رَاوٍ وَهْماً فِيْ الْإِسْنَادِ الْمُتَّصِلِ رَجُلاً لَمْ يَذْكُرْهُ غَيْرُهٗ۔

وہ حدیث ہے جسکی سندِ متصل میں کسی راوی نے وہم سے کسی ایسے واسطہ کا اضافہ کر دیا ہو جسکا ذکر دوسرے رواۃ نے نہ کیا ہو جیسے حَدَّثَنَا زَيْدٌ قَالَ حَدَّثَنَا خَالِدٌ قَالَ حَدَّثَنَا وَلِيْدٌ الخ میں "بَكْرٌ" کا اضافہ کر کے سند اس طرح کر دی حَدَّثَنَا زَيْدٌ قَالَ حَدَّثَنَا بَكْرٌ قَالَ حَدَّثَنَا خَالِدٌ قَالَ حَدَّثَنَا وَلِيْدٌ الخ

شرائطِ مزید دو ہیں:

(۱) کسی متصل سند میں راوی کے اضافہ کو اسی وقت زائد کہا جائیگا جب ان دو راویوں کے ایک دوسرے سے بلا واسطہ سماع کی صراحت ہو جنکے درمیان اضافہ کیا گیا ہے جیسے اس سند حَدَّثَنَا زَيْدٌ قَالَ حَدَّثَنَا خَالِدٌ قَالَ حَدَّثَنَا وَلِيْدٌ الخ میں زید حَدَّثَنَا کا صیغہ لائے ہیں اور انہوں نے کہا ہے حَدَّثَنَا خَالِدٌ جو اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ خالد سے خود زید نے سنا ہے اور انکے درمیان کوئی واسطہ نہیں ہے، اب اگر انکے درمیان "بَكْرٌ" کا اضافہ کیا جاتا ہے جیسا کہ اس سند حَدَّثَنَا زَيْدٌ قَالَ حَدَّثَنَا بَكْرٌ قَالَ حَدَّثَنَا خَالِدٌ قَالَ حَدَّثَنَا وَلِيْدٌ الخ میں ہے تو اِسے سندِ متصل میں زیادتی قرار دیا جائیگا اور یہ مردود ہوگی۔

اور اگر جن راویوں کے بیچ میں اضافہ کیا گیا ہے انکے درمیان بلا واسطہ سماع کی صراحت نہ ہو بلکہ ایسا لفظ استعمال کیا گیا ہو جو بالواسطہ اور بلا واسطہ دونوں طرح سماع پر

دلالت کرتا ہے جیسے عَنْ تو اس زیادتی کو راجح اور مقبول قرار دیا جائیگا اور یہ کہیں گے کہ پہلی سند منقطع تھی جس سے یہ واسطہ ساقط ہو گیا تھا اور یہ دوسری متصل اور پوری ہے جیسے پہلی سند میں اگر حَدَّثَنَا کے بجائے "عَنْ" ہو اور سند یوں ہو عَنْ زَیْدٍعَنْ خَالِدٍعَنْ وَلِیْدٍ الخ اب یہاں یہ بھی احتمال ہے کہ زید نے خالد سے بلا واسطہ سنا ہو اور یہ بھی احتمال ہے کہ بالواسطہ سنا ہو اب اگر انکے درمیان "بَکْر" کا اضافہ کیا جاتا ہے جیسا کہ اس سند عَنْ زَیْدٍعَنْ بَکْرٍعَنْ خَالِدٍعَنْ وَلِیْدٍالخ میں تو اس زیادتی کو راجح اور مقبول قرار دیا جائیگا اور یہ کہیں گے کہ پہلی سند منقطع تھی جس سے بکر کا واسطہ ساقط ہو گیا تھا اور یہ دوسری متصل اور پوری ہے۔

(۲) کسی متصل سند میں راوی کے اضافہ کو اسی وقت زائد کہا جائیگا جب اضافہ میں وہم کا ہونا کسی قرینہ سے متحقق ہو گیا ہو یعنی کسی قرینہ سے یہ ثابت ہو گیا ہو کہ یہ اضافہ راوی کے وہم سے ہوا ہے اگر یہ ثابت نہیں ہوا تو دونوں سندوں کو صحیح اور مقبول قرار دیا جائیگا اور مثالِ مذکور میں کہا جائیگا کہ یہ حدیث زید نے خالد سے بھی سنی ہے اور بکر کے واسطہ سے بھی سنی ہے اور مختلف موقعوں پر الگ الگ سماعتوں کو بیان کیا ہے۔

نوٹ:

حدیث کو مزید فی متصل الاسانید اسی وقت کہیں گے جب مذکورہ دونوں شرطیں پائی جائیں جیسا کہ میں نے ابھی ذکر کیا ہے۔

مزید فی متصل الاسانید کا حکم:

یہ مردود ہے

نوٹ:

مزید فی متصل الاسانید مردود اسلئے ہے کیونکہ راوی سند میں واسطہ کی زیادتی کر کے ثقات کی مخالفت کرتا ہے۔

(۵) مضطرب:

هُوَ الْحَدِيْثُ الَّذِيْ يُرْوىٰ مِنْ قِبَلِ رَاوٍ وَاحِدٍ أَوْ أَكْثَرَ عَلىٰ أَوْجُهٍ مُخْتَلِفَةٍ مُتَسَاوِيَةٍ لَايُمْكِنُ الْجَمْعُ بَيْنَهَا وَلَا التَّرْجِيْحُ

وہ حدیث جومختلف راویوں سے ایسی مختلف وجوہ پر منقول ہوجن میں جمع وتطبیق بھی نہ ہوسکے اور کسی ایک کی ترجیح بھی ممکن نہ ہو۔

اضطراب کے تحقق کی شرطیں:

اضطراب کے تحقق کے لئے دوشرطیں ہے(۱) ان مختلف روایتوں کے درمیان جمع و تطبیق ممکن نہ ہو یعنی سب پر ایک ساتھ عمل کرنا ممکن نہ ہو۔(۲) وہ سب روایات قوت میں برابر ہوں کہ ان میں سے کسی ایک روایت کو دوسری پر ترجیح نہ دی جاسکے۔

کیونکہ اگر ان مختلف روایات میں تطبیق ممکن ہوتو تطبیق دی جائیگی اور سب مقبول ہونگی اور اضطراب ختم ہوجائیگا اور اگر تطبیق ممکن نہ ہولیکن ترجیح ممکن ہوتو ترجیح دی جائیگی اور راجح کو مقبول اور مرجوح کو غیر مقبول (مردود) کہیں گے اور تب بھی اضطراب ختم ہوجائیگا۔

مضطرب کی اقسام:

(۱) مضطِرب السند:

اگر اضطراب سند میں ہوتو اسے ''مضطِرب السند'' کہیں گے

(۲) مضطِرب المتن:

اگر اضطراب متن میں ہوتو اسے ''مضطِرب المتن'' کہیں گے

مضطِرب السند کی مثال:

حَدِيْثُ أَبِيْ بَكْرٍ ؓ أَنَّهٗ قَالَ:يَارَسُوْلَ اللّٰهِ أَرَاكَ شِبْتَ قَالَ:شَيَّبَتْنِيْ هُوْدٌ

وَأَخَوَاتُهَا

(حضرت ابوبکرؓ نے عرض کیا: یارسول اللہ میں آپکو بوڑھا دیکھ رہا ہوں تو آپؐ نے فرمایا کہ مجھے سورۂ ہود اور اسکے جیسی دوسری سورتوں نے بوڑھا کر دیا)

امام دارِقطنی کہتے ہیں کہ یہ مضطرب ہے کیونکہ یہ صرف ابواسحاق کی سند سے مروی ہے اور ابواسحاق پر دس وجوہات کی بدولت اختلاف کیا گیا ہے بعض نے مرسل روایت کیا اور بعض نے اسے موصول روایت کیا اور بعض نے اسے مسندِ ابوبکر سے بتایا اور بعض نے مسندِ سعد سے بتایا اور بعض نے مسندِ عائشہ سے بتایا وغیرہ۔ تو یہاں سند میں شدید اضطراب ہے کیونکہ اسکے تمام راوی ثقہ ہیں کسی ایک کی روایت کو دوسرے کی روایت پر ترجیح دینا ممکن نہیں اور تطبیق بھی متعذر ہے۔

مضطرب المتن: کی مثال:

ترمذی میں صفحہ ۸۳ جلد ۱ میں فاطمہ بنتِ قیس کی حدیث اس سند "شَرِيْكٌ عَنْ أَبِيْ حَمْزَةَ عَنِ الشَّعبِيِّ عَنْ فَاطِمَةَ" سے مروی ہے جسکے الفاظ یہ ہیں "إِنَّ فِيْ الْمَالِ لَحَقًّا سِوَى الزَّكوٰةِ " اور ابنِ ماجہ میں اسی سند سے ایک روایت ہے جسکے الفاظ ہیں "لَيْسَ فِيْ الْمَالِ حَقٌّ سِوَى الزَّكوٰةِ" تو یہاں متن میں اضطراب ہے کیونکہ ایک ہی سند سے دو ایسے متن مروی ہیں جن میں سے ایک دوسرے کے معارض ہے کیونکہ ایک متن سے پتا چلتا ہے کہ مال میں زکوٰۃ کے علاوہ بھی حق ہے اور دوسرے متن سے معلوم ہوتا ہے کہ مال میں زکوٰۃ کے علاوہ کوئی حق نہیں ہے۔ اور انکے درمیان نہ تطبیق کی کوئی صورت ہے اور نہ ترجیح کی۔

اضطراب کی صورت میں وجوہِ ترجیح:

(۱) اگر کسی حدیث کی سند یا متن میں اضطراب ہو جائے مثلاً ایک راوی کچھ بیان کرتا ہے اور دوسرا اسکے خلاف نقل کرتا ہے تو جو احفظ ہوگا اسکی روایت کو ترجیح دی جائیگی

لیکن اس صورت میں اضطراب ختم ہو جائیگا۔

(۲) اگر کسی حدیث کی سند یا متن میں اضطراب ہو جائے مثلاً ایک راوی شیخ سے کچھ نقل کرتا ہے دوسرا کچھ تو جو شیخ کے پاس زیادہ عرصہ رہا ہوگا اسکی روایت کو ترجیح دی جائیگی لیکن اس صورت میں اضطراب ختم ہو جائیگا۔

مضطرب کا حکم:

حدیثِ مضطرب مردود اور ضعیف ہے لیکن اگر اضطراب ختم ہو جائے تو قابلِ استدلال ہے۔

نوٹ:

یہ اسلئے مردود وضعیف ہے کیونکہ اضطراب سے معلوم ہوتا ہے کہ روات ضابط نہیں ہیں۔

(٦) مصحَّف و محرَّف:

مَاغُيِّرَ فِيْهِ النُّقَطُ مَعَ بَقَاءِ صُوْرَةِ الْخَطِّ فَهُوَ الْمُصَحَّفُ وَمَاغُيِّرَ فِيْهِ الشَّكْلُ مَعَ بَقَاءِ صُوْرَةِ الْخَطِّ فَهُوَ الْمُحَرَّفُ

مصحَّف و محرَّف:

وہ حدیث جسمیں خط کی صورت باقی رہتے ہوئے نقطوں کے تغیر سے حرف بدل جائے وہ مصحف ہے اور جسمیں خط کی صورت باقی رہتے ہوئے حرف کی شکل بدل جائے وہ محرف ہے۔

وضاحت:

مصحَّف ومحرَّف وہ حدیث ہے جسمیں سند اور متن کی صورت تو بدستور باقی رہے مگر ایک حرف یا چند حروف بدل جانے کی وجہ سے ثقہ سے مخالفت ہو جائے پھر اگر حرف کا تبدل صرف نقطہ کے ذریعہ ہے تو مصحَّف ہے جیسے مَنْ صَامَ رَمَضَانَ وَأَتْبَعَهُ سِتّاً مِنْ

شَوَّالَ میں سِتًّا کی بعض رواۃ نے شَیْئاً سے تصحیف کردی اور ایک راوی مُرَاجِمْ کی مُزَاحِمْ سے تصحیف کردی۔ان دونوں مثالوں میں نقطہ کے ذریعہ ایک حرف دوسرے حرف سے بدلا ہے اسلئے اسے تصحیف کہیں گے اور اگر ایک حرف کی دوسرے حرف سے شکل بدل گئی ہے تو وہ محرَّف ہے جیسے عاصم الأحول کی تحریف واصل الأحدب ہے۔اس مثال میں ایک حرف دوسرے حرف سے نقطہ کہ ذریعہ نہیں بدلا ہے بلکہ شکلِ عین کو واؤ سے، شکلِ میم کو لام سے اور شکلِ واؤ کو دال سے،اور لامِ ثانی کی شکل کو باء سے بدل دیا گیا ہے اسلئے یہ تحریف ہے۔

حکم:

اگر راوی سے کبھار تصحیف وتحریف ہوجائے تو اس سے اسکے ضبط کا ضعف ثابت نہیں ہوتا لیکن اگر زیادہ تصحیف وتحریف ہوجائے تو اس سے اسکا ضعیف الضبط ہونا ثابت ہوجاتا ہے اور معلوم ہوجاتا ہے کہ راوی اس درجہ کا نہیں جسکی روایات قبول کی جائیں۔

تصحیف کا سبب:

عموماً جو کتابوں سے خود مطالعہ کرکے احادیث روایت کرتے ہیں اور اساتذہ سے اخذ نہیں کرتے ان سے تصحیف ہوجاتی ہے۔اسی وجہ سے محدثین ایسے اساتذہ سے اخذ کرنے سے منع کرتے ہیں۔

متنِ حدیث میں تبدیلی:

حدیث کے الفاظ کو اَدلنا بدلنا جائز نہیں ہے خواہ طویل حدیث کو مختصر کرنا ہو یا کسی لفظ کو اسکے مرادف سے بدلنا ہو۔البتہ ماہرِ فنِ حدیث کے لئے جو الفاظ کے لغوی معنی بھی جانتا ہو اور وہ معنی بھی جانتا ہو جن میں وہ الفاظ مستعمل ہیں اور جو مقصود ہیں اور قواعدِ نحویہ اور صرفیہ سے بھی بخوبی واقف ہو۔نیز یہ بھی جانتا ہو کس تبدیلی سے معنیٰ مقصود فوت ہوجائیں گے

اور کس تبدیلی سے معنیٰ مقصود میں کوئی خلل نہیں آئیگا۔ایسے عالم کے لئے گنجائش ہے کہ بوقتِ ضرورت نہایت احتیاط سے بقدرِ ضرورت ایسی تبدیلی کرے جس سے معانی مقصودہ میں کوئی تغیر واقع نہ ہوتا ہو مگر احوط یہی ہے کہ ہر قسم کی تبدیلی سے بچے اسلئے کہ اگر چہ معنیٰ میں تو کوئی تغیر نہیں ہوتا لیکن آپؐ کے الفاظ کی ترتیب میں بھی خصوصی خوبیاں ہیں جنھیں کوئی معلوم نہیں کرسکتا تو پھر اپنے الفاظ میں ادا کیسے کرسکتا ہے۔

نیز بخاری شریف میں صفحہ ۳۸ جلد ا میں حدیث ہے کہ آپؐ نے حضرت براء بن عازبؓ کو سوتے وقت کی یہ دعا تعلیم فرمائی "اَللّٰهُمَّ أَسْلَمْتُ وَجْهِیْ إِلَيْكَ وَفَوَّضْتُ أَمْرِیْ إِلَيْكَ وَأَلْجَأْتُ ظَهْرِیْ إِلَيْكَ رَغْبَةً وَرَهْبَةً إِلَيْكَ لَا مَلْجَأً وَلَا مَنْجَأً مِنْكَ إِلَّا إِلَيْكَ اَللّٰهُمَّ اٰمَنْتُ بِكِتَابِكَ الَّذِیْ أَنْزَلْتَ وَ بِنَبِیِّكَ الَّذِی أَرْسَلْتَ"

حضرت براء بن عازب نے تصحیح کے لئے آپ کے سامنے دعا کے کلمات دہرائے تو بِنَبِیِّكَ کی جگہ بِرَسُوْلِكَ پڑھ گئے، آپؐ نے ٹوکا اور فرمایا کہ "نہیں بِنَبِیِّكَ الَّذِی أَرْسَلْتَ پڑھو" یعنی بِنَبِیِّكَ کو بِرَسُوْلِكَ سے نہ بدلو۔حالانکہ رسول، نبی ضرور ہوتا ہے اور رسول کا مرتبہ بھی بڑا ہے اور آپؐ رسول بھی تھے مگر آپؐ نے یہ تبدیلی گوارہ نہ فرمائی پھر دوسرے تغیرات کیسے پسند کئے جاسکتے ہیں؟!

(۸) جہالت:

اسبابِ طعن میں آٹھواں سبب جہالت ہے یعنی راوی کا غیر معروف ہونا۔

اسبابِ جہالت تین ہیں:

(۱) عدمِ تسمیہ یعنی نام نہ لینا (۲) غیر معروف نام لینا (۳) قلیل الروایہ ہونا

نام نہ لینے کی وجہ سے جہالت:

کبھی راوی مجہول اسلئے ہوتا ہے کہ اسانیدِ حدیث میں اسکا نام نہیں لیا جاتا بلکہ شَیْخٌ ،رَجُلٌ ،ثِقَةٌ اور صَاحِبٌ لَّنَا وغیرہ مبہم کلمات سے ذکر کیا جاتا ہے ایسے غیر مسمیٰ

رواۃ مبہم کہلاتے ہیں اور انکے تعارف کے لئے محدثین نے ''مبہمات'' نامی کتابیں لکھی ہیں جن سے انکی تعیین ہوتی ہے۔

غیر مسمّٰی راوی کی حدیث کا حکم:

ایسا راوی جسکا نام ہی معلوم نہ ہو اسکی روایت مقبول نہیں ہوگی کیونکہ جب اسکا نام ہی معلوم نہیں تو اسکا عادل یا غیر عادل ہونا کیسے معلوم ہوگا؟ حالانکہ حدیث کی مقبولیت کے لئے عدالت شرط ہے۔ ہاں اگر کسی طرح اس راویِ غیر مسمّٰی کی تعیین ہو جائے تو اگر وہ ثقہ ہے تو وہ روایت مقبول ہوگی اور اگر ثقہ نہیں ہے تو مقبول نہیں ہوگی۔

ابہام کرنے والے کی تعدیل کا حکم:

اگر کوئی شخص کسی راوی کا نام تو ذکر نہیں کرتا مگر راوی کا ایسے مبہم لفظ سے ذکر کرتا ہے جو اسکے عادل ہونے پر دلالت کرتا ہے مثلاً کہتا ہے ''أَخْبَرَنِيْ ثِقَةٌ'' تب بھی اس ابہام کرنے والے کا اس راویِ غیر مسمّٰی (جسکا نام ذکر نہ کیا جائے) کو عادل قرار دینا معتبر نہیں ہوگا اور وہ روایت مقبول نہیں ہوگی کیونکہ راوی نے اپنے شیخِ غیر مسمّٰی کی تعدیل محض اپنی تحقیق سے کی ہے اور ممکن ہے کہ واقعہ اسکے خلاف ہو۔ البتہ اگر تعدیل کرنے والا ماہرِ فن اور ائمۂ نُقّادِ حدیث میں سے ہو مثلاً امام مالکؒ، امام بخاریؒ اور امام مسلم وغیرہ تو انکی تعدیل معتبر ہوگی اور راویِ غیر مسمّٰی والی روایت مقبول ہوگی۔

غیر معروف نام لینے کی وجہ سے جہالت:

کبھی راوی مجہول اس لئے ہوتا ہے کہ اسنادِ حدیث میں اسکا غیر معروف نام لیا جاتا ہے یعنی راوی پر متعدد الفاظ بولے جاتے ہیں مثلاً کبھی اس پر علَم بولا جاتا ہے کبھی کنیت، کبھی لقب، کبھی صفت، کبھی پیشہ، کبھی نسبت، کبھی عہدہ وغیرہ۔ اور وہ ان میں سے کسی ایک لفظ سے مشہور ہوتا ہے اور بقیہ سے مشہور نہیں ہوتا پس جب اسے غیر مشہور لفظ

سے یاد کیا جاتا ہے تو وہ پہچانا نہیں جاتا جیسے حضرتِ صدیقِ اکبرؓ کا تذکرہ اگر عبداللہ بن عثمان سے کیا جائے اور حضرت ابو ہریرہؓ کا تذکرہ اگر عبدالرحمٰن بن صَخر سے کیا جائے تو بہت کم لوگ پہچان سکیں گے۔ محدثین نے ایسے مبہم راویوں کی وضاحت کے لئے مُوَضِّحات نامی کتابیں لکھی ہیں جن سے پتا چل جاتا ہے کہ وہ کون راوی ہے۔ وضاحت کہ بعد اگر معلوم ہو جائے کہ وہ ثقہ ہے تو وہ روایت مقبول ہوگی اور اگر معلوم ہو کہ وہ ثقہ نہیں ہے تو مقبول نہیں ہوگی۔

قلیل الحدیث ہونے کی وجہ سے جہالت:

کبھی راوی مجہول اسلئے ہوتا ہے کہ اُس سے بہت کم روایات مروی ہوتی ہے، اس وجہ سے اُس سے اخذ و استفادہ کرنے والے تلامذہ بہت کم ہوتے ہیں اور اُس سے عام واقفیت و جانکاری نہیں ہوتی۔ ایسے راوی کا اگر نام بھی ذکر کر دیا جائے تب بھی پہچانا نہیں جائیگا۔ جیسے ''ابو العُشَرَاء الدارمی'' کہ ان سے سوائے ''حماد بن سلمہ'' کے کسی نے روایت نہیں کیا۔ ایسے مبہم رواۃ کو جاننے کے لئے محدثین نے ''وُحدان'' (ایک شاگرد والے یا ایک حدیث والے رواۃ) نامی کتابیں لکھی ہیں جن سے ایسے رواۃ کا حال معلوم ہو جاتا ہے۔ ایسے مجہول رواۃ کی دو قسمیں ہیں (۱) مجہول العین (۲) مجہول الحال (مستور)

مجهول العين:

هُوَ مَنْ لَّمْ يَرْوِ عَنْهُ إِلَّا رَاوٍ وَاحِدٌ ذُكِرَ اِسْمُهٗ أَوْ لَمْ يُذْكَر

وہ قلیل الحدیث راوی ہے جس کا نام ذکر کر کے یا بغیر ذکر کئے صرف ایک ہی راوی نے روایت کی ہو۔

مجهول الحال:

هُوَ مَنْ ذُكِرَ اِسْمُهٗ وَرَوٰى عَنْهُ اِثْنَانِ فَأَكْثَرُ وَلٰكِنْ لَّمْ يُوَثَّقْ

وہ قلیل الحدیث راوی ہے جس سے نام لے کر ایک سے زائد راویوں نے روایت کی مگر کسی امام نے اسکی توثیق نہ کی ہو

مجهول العين کی حدیث کا حکم:

راویِ مجہول العین کی حدیث قابلِ قبول نہیں ہے لیکن اگر اس سے تنہا روایت کرنے والے راوی کے علاوہ ائمہ جرح و تعدیل میں سے کسی نے اسے ثقہ قرار دیا ہو تو اسکی روایت مقبول ہوگی۔

یا راویِ مجہول العین سے تنہا روایت کرنے والا خود ائمہ جرح وتعدیل میں سے ہو اور وہ اسے ثقہ قرار دے تو بھی اسکی روایت مقبول ہوگی۔

حکم:

امام ابوحنیفہ، ابنِ حبان اور حماد بن ابی سلیمانؒ کے نزدیک مستور کی روایت معتبر ہے۔ وہ حضرات فرماتے ہیں کہ حدیث سے ہم اگر ناواقف ہیں تو اسمیں مستور کا کیا قصور؟ ہم اپنی ناواقفیت کی وجہ سے مجہول الحال (مستور) کی حدیث کو رد نہیں کریں گے ہاں اگر مستور میں کوئی نقص معلوم ہو جائے تو پھر اسکی حدیث مقبول نہیں ہوگی۔

اور جمہور محدثین کے نزدیک مستور کی روایت مقبول نہیں ہے۔ وہ اسی وقت روایت قبول کرتے ہیں جب راوی کا ثقہ ہونا متحقق ہو جائے اور مستور کا حال مخفی ہے، اسکا ثقہ اور غیر ثقہ ہونا معلوم نہیں ہے اسلئے اسکی روایت مقبول نہ ہوگی۔

لیکن تحقیقی بات جسکی طرف حافظ ابنِ حجر گئے ہیں وہ یہ کہ مستور کی روایت میں اسکی عدالت یا عدمِ عدالت کے ظاہر ہونے تک توقف کیا جائے۔ اگر عدالت ظاہر ہو تو قبولیت کا حکم لگایا جائے اور اگر عدمِ عدالت ظاہر ہو تو مردودیت کا حکم لگایا جائے۔

(۹) بدعت:

اسبابِ طعن میں نواں سبب بدعت ہے۔ یہاں بدعت سے مراد بدعقیدگی، گمراہ

خیالات اور فرقِ باطلہ کے عقائد کا حامل ہونا ہے۔

بدعت کی اقسام:

بدعت کی دو قسمیں ہیں: (۱) بدعتِ مفسّقہ (۲) بدعتِ مکفّرہ

(۱) بدعتِ مفسّقہ :

مَایُفَسَّقُ صَاحِبُهَا بِسَبَبِهَا

جسکی وجہ سے بدعتی کا فاسق ہونا لازم آئے جیسے عام عقائدِ بدعیہ اور خیالاتِ فاسدہ مثلاً عید میلاد النبی

(۲) بدعتِ مکفّرہ:

مَا یُکَفَّرُ صَاحِبُهَا بِسَبَبِهَا

جسکی وجہ سے بدعتی کا کافر ہونا لازم آئے جیسے حضرت علی میں اللہ کے حلول کر جانے کا عقیدہ اور ختمِ نبوت کا انکار

بدعتی کی حدیث کا حکم:

جس بدعتی کی بدعت اسکے کافر ہونے کو مستلزم ہو اسکی حدیث قبول نہیں کی جائیگی۔ اور جس بدعتی کی بدعت اسکے فاسق ہونے کو مستلزم ہو اسکی حدیث بھی مردود ہے لیکن اگر چند شرطیں پائی جائیں تو مقبول ہے (۱) اپنے غلط مذہب کی طرف دعوت نہ دیتا ہو (۲) اسکی روایت کردہ حدیث سے اسکے غلط نظریات کی تائید نہ ہوتی ہو (۳) گمراہ عقائد کا حامل ہونے کے علاوہ اسمیں ثقاہت وعدالت کی تمام صفات موجود ہوں (۴) اپنے غلط مذہب کی تائید وتقویت کے لئے جھوٹ کو جائز نہ سمجھتا ہو اور قران وحدیث میں غلط تاویلیں نہ کرتا ہو۔

(۱۰) سوءِ حفظ:

اسبابِ طعن میں دسواں سبب سوءِ حفظ ہے یعنی راوی کی یادداشت کا خراب ہونا۔

راويِ سيِّئُ الحفظ:

مَنْ لَّمْ يُرَجَّحْ جَانِبُ إِصَابَتِهِ عَلىٰ جَانِبِ خَطَئِهِ

جسکی صحیح باتیں اسکی غلط باتوں سے زیادہ نہ ہوں۔

سوءِ حفظ کی دو قسمیں ہیں: (۱) سوءِ حفظ لازم (۲) سوءِ حفظ طاری

(۱) سوءِ حفظ لازم:

اگر راوی کی یادداشت ہمیشہ سے خراب ہو اور ہر حال میں خراب ہی رہتی ہو تو اسے سوءِ حفظ لازم کہیں گے

شاذ:

جس راوی کو سوءِ حفظ لازم ہو اسکی روایت کو بعض حضرات شاذ کہتے ہیں۔

حکم:

جس راوی کو سوءِ حفظ لازم ہو اسکی روایت مردود ہے۔

(۲) سوءِ حفظ طاری:

اگر حفظ و یادداشت پہلے تو ٹھیک ہو لیکن بعد میں کسی عارض کی وجہ اس میں خرابی آ گئی ہو مثلاً بڑھاپا یا ان کتابوں کا ضائع ہو جانا جن سے وہ روایت کرتا تھا یا راوی کا نابینا ہو جانا جسکی وجہ سے وہ کتابیں نہیں دیکھ سکتا یا قدرتی عوامل کی وجہ سے ذہنی حالت کا درست نہ رہنا۔

مختَلَط:

جس راوی کو سوءِ حفظ عارض ہو یعنی لازم نہ ہو اسکی روایت کو مختَلَط (بفتح اللام) کہتے ہیں۔اور اس راوی کو مختَلِط (بکسر اللام) کہتے ہیں۔

راويِ مختَلِط کی حدیث کا حکم:

مختَلِط نے جو روایتیں سوءِ حفظ عارض ہونے سے پہلے بیان کی ہیں وہ مقبول ہیں اور

جوسوءِ حفظ عارض ہونے کے بعد بیان کی ہیں وہ مردود ہیں اور جن روایتوں کے سوءِ حفظ کے عارض ہونے سے پہلے یا بعد میں ہونے کا علم نہ ہو وہ علم پر موقوف رہیں گی۔

عبدالعظیم سعیدی

غفرلہٗ ولوالدیہ

مسندالیہ کے اعتبار سے حدیث کی اقسام

حدیث کی نسبت کبھی تو اللہ تعالی کی طرف ہوتی ہے، کبھی رسول اللہ کی طرف، کبھی صحابی کی طرف، اور کبھی تابعی کی طرف، اس نسبت کے لحاظ سے حدیث کی چار قسمیں ہیں :

حدیثِ قُدْسی:

هُوَ مَانُقِلَ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ مَعَ إِسْنَادِهِ إِيَّاهُ إِلىٰ رَبِّهٖ عَزَّ وَجَلَّ

وہ حدیث جسکو آپ ؐ اللہ کی طرف نسبت کرتے ہوئے بیان فرمائیں۔

حدیثِ قدسی اور قرآن کے درمیان فرق:

(۱) یاد رہے کہ قرآنِ کریم کے الفاظ اور معانی دونوں من جانب اللہ ہوتے ہیں بخلاف حدیثِ قدسی کے کہ اسمیں معانی اللہ تعالی کی طرف سے اور الفاظ سرکار ﷺ کی طرف سے ہوتے ہیں

(۲) قرآنِ کریم متواتر ہوتا ہے اور حدیثِ قدسی کا متواتر ہونا ضروری نہیں۔

(۳) قرآن معجز ہے اور حدیثِ قدسی معجز نہیں ہے۔

(۴) قرآن کو چھونے کے لئے حدثِ اصغر سے اور پڑھنے کے لئے حدیثِ اکبر سے پاک ہونا ضروری ہے بخلاف حدیثِ قدسی کے کہ اسمیں کوئی ایسی شرط نہیں ہے۔

مثال:

قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ عَنْ رَبِّهٖ يَاعِبَادِيْ إِنِّيْ حَرَّمْتُ الظُّلْمَ عَلٰى نَفْسِيْ وَجَعَلْتُهٗ بَيْنَكُمْ مُحَرَّماً فَلَا تَظَالَمُوْا

(رسول اللہؐ اللہ تعالی سے نقل کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ اللہ تعالی نے فرمایا کہ اے میرے بندوں میں نے اپنے اوپر ظلم کو حرام کرلیا ہے اور میں نے اسے تمہارے درمیان بھی حرام کردیا ہے اسلئے تم ایک دوسرے پر ظلم نہ کرو)

(مسلم)

احادیثِ قدسیہ کی تعداد:

ایسی احادیث لگ بھگ دوسو ہیں۔

حدیث قدسی کا حکم:

یہ کبھی صحیح کبھی حسن اور کبھی ضعیف ہوتی ہے یعنی راویوں کے حالات کے اعتبار سے اسکا حکم متعین ہوگا کہ یہ صحیح ہے یا حسن یا ضعیف۔ اگر راویوں میں صحت کے شرائط ہیں تو صحیح اور اگر حُسن کے شرائط ہیں تو حَسن اور اگر ضُعف کے شرائط ہیں تو ضعیف۔

حدیثِ مرفوع:

هُوَ مَاأُضِيْفَ إِلَى النَّبِيِّ ﷺ مِنْ قَوْلٍ أَوْفِعْلٍ أَوْ تَقْرِيْرٍ

وہ قول، فعل اور تقریر جو رسول اللہ کی طرف منسوب ہو۔

مثال:

عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ :قَالَ النَّبِيُّ ﷺ "إِذَا أَقْبَلَتِ الْحَيْضَةُ فَدَعِي الصَّلٰوةَ وَإِذَا

أَدْبَرَتْ فَاغْسِلِيْ عَنْكِ الدَّمَ وَصَلِّيْ"

(حضرت عائشہؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہؐ نے فرمایا کہ "جب حیض آئے تو نماز چھوڑ دو اور جب بند ہو جائے تو خون دھل کر نماز پڑھو")

(بُخَارِي، كِتَابُ الْحَيْضِ،)

وضاحت:

اسمیں آپؐ کا قول ذکر کیا گیا ہے اسلئے یہ مرفوع ہے۔

حدیثِ موقوف:

هُوَ مَاأُضِيْفَ إِلى الصَّحَابِيِّ مِنْ قَوْلٍ أَوْفَعْلٍ أَوْ تَقْرِيْرٍ

وہ قول، فعل اور تقریر جو صحابی کی طرف منسوب ہو۔

مثال:

عَنْ عُبَيْدِ اللّٰهِ بْنِ عُمَرَ عَنْ نَافِعٍ قَالَ :سُئِلَ اِبْنُ عُمَرَ عَنِ الْوُضُوْءِ بَعْدَالْغُسْلِ فَقَالَ:أَيُّ وُضُوْءٍ أَفْضَلُ مِنَ الْغُسْلِ

(عبیداللہ بن عمر سے مروی ہے وہ نافع سے روایت کرتے ہیں کہ: ابنِ عمر سے غسل کے بعد وضوء کے بارے میں پوچھا گیا تو انہوں نے فرمایا کہ "کونسا وضوء غسل سے افضل ہے")

(عَبْدُ الرَّزَّاق)

وضاحت:

اسمیں حضرت ابنِ عمر کا قول نقل کیا گیا ہے جو صحابی ہیں اسلئے یہ موقوف ہے۔

حدیثِ مقطوع:

هُوَ مَاأُضِيْفَ إِلى التَّابِعِيِّ أَوْ مَنْ دُوْنَهٗ مِنْ قَوْلٍ أَوْفَعْلٍ أَوْ تَقْرِيْرٍ

وہ قول، فعل اور تقریر جو کسی تابعی یا اس سے نیچے کے طبقے کی طرف منسوب ہو۔

مثال:

قَوْلُ الْحَسَنِ الْبَصْرِيِّ فِيْ الصَّلٰوةِ خَلْفَ الْمُبْتَدِعِ :" صَلِّ وَعَلَيْهِ بِدْعَتُهٗ "

(بدعتی کے پیچھے نماز پڑھنے کے سلسلے میں حضرتِ حسن بصریؒ کا قول: تم نماز پڑھ لو اسکی بدعت کا وبال اس پر ہے)

وضاحت:

اسمیں حضرت حسن بصریؒ کا قول نقل کیا گیا ہے جو تابعی ہیں اسلئے یہ مقطوع ہے۔

نوٹ:

یہاں تقریر کا مطلب یہ ہے کہ آپؐ کے سامنے کسی مسلمان نے کوئی کام کیا یا کوئی بات کہی اور آپ نے نہ اسے روکا اور نہ ٹوکا یا آپؐ کے سامنے تو کوئی کام نہیں کیا گیا یا کوئی بات نہیں کہی گئی لیکن آپؐ کے دور ہی میں وہ کام کیا گیا یا وہ بات کہی گئی لیکن آپؐ نے باوجود اطلاع کے اس سے نہیں روکا، تو آپکا یہ نہ روکنا اس کام کی صحت اور جواز کی دلیل ہے، اسے تقریر نبوی کہتے ہیں۔

اور اگر صحابی یا تابعی کے سامنے کوئی بات کہی جائے یا کوئی کام کیا جائے اور وہ اس سے نہ روکے تو اسے تقریرِ صحابی یا تقریرِ تابعی کہیں گے۔

تعریفات کی وضاحت:

اگر کسی قول یا فعل یا تقریر کے بارے میں یہ کہا جائے کہ یہ رسول اللہ کا قول یا فعل یا تقریر ہے تو اسے حدیثِ مرفوع کہیں گے۔

اگر کسی قول یا فعل یا تقریر کے بارے میں یہ کہا جائے کہ یہ صحابی کا قول یا فعل یا تقریر ہے تو اسے حدیثِ موقوف کہیں گے۔

اگر کسی قول یا فعل یا تقریر کے بارے میں یہ کہا جائے کہ یہ تابعی یا اس سے نیچے کے کسی طبقے کا قول یا فعل یا تقریر ہے تو اسے حدیثِ مقطوع کہیں گے۔

حدیثِ مرفوع کا حکم:

یہ کبھی صحیح کبھی حَسن اور کبھی ضعیف ہوتی ہے یعنی راویوں کے حالات کے اعتبار سے اسکا حکم متعین ہوگا کہ یہ صحیح ہے یا حسن یا ضعیف۔ اگر راویوں میں صحت کے شرائط ہیں تو صحیح اور اگر حُسن کے شرائط ہیں تو حَسن اور اگر ضُعف کے شرائط ہیں تو ضعیف۔

حدیثِ موقوف کا حکم:

یہ بھی مرفوع کی طرح کبھی صحیح کبھی حَسن اور کبھی ضعیف ہوتی ہے یعنی راویوں کے حالات کے اعتبار سے ہی اسکا بھی حکم متعین ہوگا کہ یہ صحیح ہے یا حسن یا ضعیف۔ اگر راویوں میں صحت کے شرائط ہیں تو صحیح اور اگر حُسن کے شرائط ہیں تو حَسن اور اگر ضُعف کے شرائط ہیں تو ضعیف۔

کیا حدیثِ موقوف پر عمل کرنا واجب ہے:

تمہید:

حدیثِ موقوف یعنی صحابی کا قول وفعل یا تو قیاس کے مطابق ہوگا یا مخالف ہوگا اگر قیاس کے مخالف ہے تو یہ کہا جائیگا کہ اسکا یہ قول وفعل آپ ؐ ہی کی تعلیم ہے، اسکی اپنی رائے نہیں ہے، لہذا یہ حکماً مرفوع ہوگا۔ اور اگر قیاس کے مطابق ہے تو اسمیں یہ بھی احتمال ہے کہ رسول اللہ سے سنا ہو اور یہ بھی احتمال ہے کہ اسکی اپنی رائے ہو لہذا وہ حکماً مرفوع نہیں ہوگا۔ اب حکم کو سمجھئے۔

حدیثِ موقوف اگر حکماً مرفوع نہ ہو اور اس کی صحت ثابت ہو جائے تب بھی اس پر عمل کرنا واجب نہیں ہے کیونکہ وہ صحابہ کے اقوال وافعال ہیں اور انکے اقوال وافعال واجب العمل نہیں ہیں ہاں البتہ ان سے احادیثِ ضعیفہ کو تقویت ملتی ہے کیونکہ صحابہ سنت پر ہی عمل کیا کرتے تھے۔

حدیثِ موقوف اگر حکماً مرفوع ہوتو اس پر مرفوع کی طرح عمل کرنا واجب ہے۔

حدیثِ مقطوع کا حکم:

یہ بھی کبھی صحیح کبھی حَسن اور کبھی ضعیف ہوتی ہے یعنی راویوں کے حالات کے اعتبار سے ہی اسکا بھی حکم متعین ہوگا کہ یہ صحیح ہے یا حسن یا ضعیف ۔اگر راویوں میں صحت کے شرائط ہیں تو صحیح اور اگر حُسن کے شرائط ہیں تو حَسن اور اگر ضُعف کے شرائط ہیں تو ضعیف۔

کیا حدیثِ مقطوع حجت ہے:

حدیثِ مقطوع اگر حکماً مرفوع نہ ہو اور اس کی صحت ثابت ہو جائے تب بھی وہ حجت نہیں ہوگی کیونکہ وہ ایک مسلمان کا قول وفعل ہے جو حجت نہیں ہے۔

حدیثِ مقطوع اگر حکماً مرفوع ہو تو وہ مرفوعِ مرسل کے درجہ میں ہوگی اور مرسل کا حکم گذر چکا، اسے ضرور دیکھ لیں۔

مرفوع کی اقسام:

مرفوع کی دو قسمیں ہیں: (۱) مرفوعِ صریح (۲) مرفوع حکمی

(۱) مرفوعِ صریح:

وہ حدیث جسمیں کسی قول یا فعل یا تقریر کی نسبت آپ کی طرف صراحتاً کر دی گئی ہو۔

(۲) مرفوعِ حکمی:

وہ حدیث جسمیں کسی قول یا فعل یا تقریر کی نسبت آپ کی طرف صراحتاً نہ کی گئی ہو بلکہ حکماً کی گئی ہو۔

مرفوعِ صریح کی تین قسمیں ہیں:

(۱) مرفوعِ قولی صریح (۲) مرفوعِ فعلی صریح (۳) مرفوعِ تقریری صحیح

اسی طرح مرفوعِ حکمی کی تین قسمیں ہیں:

(۱)مرفوعِ قولی حکمی (۲)مرفوعِ فعلی حکمی (۳)مرفوعِ تقریری حکمی

(۱)مرفوعِ قولی صریح:

وہ حدیث جسمیں آپ ﷺ کا قول مذکور ہو اور اسکی نسبت آپ کی طرف صراحتاً کی گئی ہو جیسے صحابی کہے "سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ يَقُوْلُ كَذَا" یا "حَدَّثَنَا رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ بِكَذَا" یا راوی (صحابی ہو یا غیر صحابی) کہے "قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ كَذَا" یا "عَنْ رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ أَنَّهٗ قَالَ كَذَا" وغیرہ۔

وضاحت:

ان الفاظ میں آپ ﷺ کا قول یعنی ارشاد منقول ہے اور اسکی نسبت آپکی طرف صراحتاً کی گئی ہے۔

(۲)مرفوعِ فعلی صریح:

وہ حدیث جسمیں آپ ﷺ کا فعل مذکور ہو اور اسکی نسبت آپ کی طرف صراحتاً کی گئی ہو جیسے صحابی کہے "رَأَيْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ فَعَلَ كَذَا" یا راوی (صحابی ہو یا غیر صحابی) کہے "كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ يَفْعَلُ كَذَا۔

وضاحت:

ان الفاظ میں آپ ﷺ کا فعل منقول ہے اور اسکی نسبت آپکی طرف صراحتاً کی گئی ہے۔

(۳)مرفوعِ تقریری صریح:

وہ حدیث جسمیں آپ ﷺ کی تقریر مذکور ہو اور اسکی نسبت آپ کی طرف صراحتاً کی گئی ہو جیسے صحابی کہے "فَعَلْتُ بِحَضْرَةِ النَّبِیِّ ﷺ كَذَا" پھر آپ ﷺ کا انکار بیان نہ کرے۔

وضاحت:

جب صحابی کہے کہ ''میں نے رسول اللہ ﷺ کے سامنے فلاں کام کیا'' اور وہ اس کام کے سلسلے میں رسول اللہ کی کوئی نکیر ذکر نہ کرے تو صراحتاً معلوم ہو جاتا ہے کہ آپ ﷺ نے اس

کام کو جائز اور باقی رکھا ہے تو چونکہ رسول اللہ نے اس کام کو جائز اور باقی رکھا ہے، اسلئے یہ مرفوعِ تقریری ہے اور چونکہ آپ کو اس فعل کی اطلاع ہونا صراحتاً مذکور ہے کیونکہ فعل آپکی موجودگی میں کیا گیا ہے اسلئے یہ صریح ہے حکمی نہیں ہے۔

(٤) مرفوعِ قولی حکمی:

وہ حدیث جسمیں آپؐ کا قول مذکور ہو اور اسکی نسبت آپ کی طرف صراحتاً نہ کی گئی ہو۔

اسکی صورت یہ ہے کہ جب کوئی ایسا صحابی جو اسرائیلی روایات کو ذکر نہ کرتا ہو ایسی بات ذکر کرے جو اجتہادی اور قیاسی نہیں ہے اور نہ ہی اسمیں کسی لفظ کے معنی ذکر کئے گئے ہیں اور نہ ہی وہ کسی قلیل الاستعمال لفظ کی وضاحت ہے مثلاً صحابی عالَم کی پیدائش، انبیاء کرامؑ کے حالات، قیامت کے احوال اور فتنوں وغیرہ کو ذکر کرے، کیونکہ یہ نہ تو اسرائیلی روایات ہیں اسلئے کہ ناقل صحابی ایسا ہے جو اسرائیلی روایات نقل نہیں کرتا، اور نہ ہی اجتہادی اور قیاسی باتیں ہیں کہ صحابی کا خود کا قول ہو سکیں، اسی طرح نہ کسی لفظ کے معنی ہیں کہ صحابی کا خود کا ہی قول ہوں اسلئے معلوم ہوا کہ یہ رسول اللہ ہی کا قول ہے جو صحابی نے آپؐ سے سنا ہے لیکن آپکی طرف صراحتاً نسبت نہیں کی ہے اسلئے یہ مرفوع قولی حکمی ہے۔

مرفوعِ فعلی حکمی:

وہ حدیث جسمیں آپؐ کا فعل مذکور ہو اور اسکی نسبت آپ کی طرف صراحتاً نہ کی گئی ہو۔

اسکی صورت یہ ہے کہ صحابی کوئی ایسا کام کرے جسمیں اجتہاد کی گنجائش نہ ہو مثلاً حضرت علیؓ نے نمازِ کسوف میں ہر رکعت میں دو رکوع کئے، تو چونکہ رکوع کوئی اجتہادی اور قیاسی فعل نہیں ہے جسے حضرت علی اپنی رائے سے کر لیتے بلکہ ایک غیر قیاسی فعل ہے اسلئے یہ کہا جائیگا کہ یہ کام حضرت علیؓ نے آپؐ کی ہدایت اور فعل کے مطابق کیا ہے اسلئے یہ مرفوعِ

فعلی حکمی ہے۔

مرفوعِ تقریری حکمی:

وہ حدیث جسمیں آپ ﷺ کی تقریر مذکور ہو اور اسکی نسبت آپ کی طرف صراحتاً نہ کی گئی ہو۔

اسکی صورت یہ ہے کہ کوئی صحابی یہ اطلاع دے آپ ﷺ کے مبارک دور میں لوگ فلاں کام کرتے تھے تو اس اطلاع کو بھی حکماً حدیثِ مرفوع تقریری کا درجہ دیا جائیگا کیونکہ ظاہر یہی ہے کہ آپکے دور میں لوگوں کا جو عمل رہا ہوگا آپکو اسکی اطلاع ضرور ہوئی ہوگی کیونکہ صحابہ ہر کام رسول اللہ سے پوچھ کر ہی کرتے تھے، نیز زمانہ بھی نزولِ وحی کا زمانہ تھا اگر لوگوں کا وہ فعل ناجائز ہوتا تو شریعت اس سلسلے میں ضرور کوئی ہدایت دیتی۔ اسلئے معلوم ہوا کہ رسول اللہ نے اطلاع کے باوجود کوئی نکیر نہیں فرمائی اسلئے وہ فعل جائز ہوگا اسلئے یہ مرفوعِ تقریری ہوگی اور چونکہ آپ ﷺ کو اسکی اطلاع ہونا صراحتاً ذکر نہیں کیا گیا ہے اسلئے یہ حکمی ہوگی صریح نہیں ہوگی۔

نوٹ:

مرفوع احادیث کا حکم گزر چکا۔

حدیث موقوف کی اقسام:

حدیثِ موقوف کی تین قسمیں ہیں:

(۱) موقوفِ قولی (۲) موقوفِ فعلی (۳) موقوفِ تقریری

(۱) موقوفِ قولی:

وہ حدیث جسمیں کسی صحابی کا کوئی قول منقول ہو۔

مثال:

قَالَ عَلِيُّ بْنُ أَبِيْ طَالِبٍ: حَدِّثُوْا النَّاسَ بِمَا يَعْرِفُوْنَ، أَتُرِيْدُوْنَ أَنْ يُكَذَّبَ

اَللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ

(حضرت علی بن طالبؓ نے فرمایا: لوگوں کو معروف باتیں بتلاؤ، کیا تم یہ چاہتے ہو کہ اللہ تعالی اور اسکے رسولؐ کی تکذیب کی جائے)

وضاحت:

اسمیں حضرت علی بن طالبؓ کا قول منقول ہے جو ایک صحابی ہیں۔

(۲) موقوفِ فعلی:

وہ حدیث جسمیں کسی صحابی کا کوئی فعل منقول ہو۔

مثال:

قَوْلُ الْبُخَارِيِّ :وَأَمَّ اِبْنُ عَبَّاسٍ وَهُوَ مُتَيَمِّمٌ

(امام بخاریؒ کا قول: حضرت ابنِ عباسؓ نے تیمّم کی حالت میں امامت کرائی)

(بُخَارِی، كِتَابُ التَّيَمُّم،)

وضاحت:

اسمیں حضرت ابنِ عباسؓ کا فعل منقول ہے جو ایک صحابی ہیں۔

(۲) موقوفِ تقریری:

وہ حدیث جسمیں کسی صحابی کی کوئی تقریر منقول ہو۔

مثال:

قَوْلُ التَابِعِيِّ :فَعَلْتُ كَذَا أَمَامَ أَحَدِ الصَّحَابَةِ وَلَمْ يُنْكِرْ عَلَيَّ

(کسی تابعی کا یہ کہنا کہ: میں نے ایک صحابی کے سامنے فلاں کام کیا اور انہوں نے میرے اس کام پر کوئی نکیر نہیں فرمائی)

وضاحت:

اسمیں کسی صحابی کی تقریر منقول ہے اسلئے یہ موقوفِ تقریری ہے۔

فائدہ:

فقہاءِ خراسان مرفوع کو ''خبر'' اور موقوف کو ''اثر'' کہتے ہیں، لیکن محدثین سب کو اثر کہتے ہیں یعنی محدثین کے نزدیک خبر، حدیث اور اثر سب مترادف ہیں۔

ملحوظہ

صحابی:

مَنْ لَقِيَ النَّبِيَّ ﷺ مُسْلِماً وَمَاتَ عَلَى الإِسْلَامِ وَلَمْ تَتَخَلَّلْ ذٰلِكَ رِدَّةٌ

جو شخص نبیؐ سے اسلام کی حالت میں ملا ہو اور اسلام ہی پر اسکا خاتمہ ہوا ہو اور درمیان میں وہ مرتد نہ ہوا ہو۔

وضاحت:

جس شخص کی اسلام کی حالت میں رسول اللہؐ سے ملاقات ہوئی اور پھر وہ مرتے دم تک مسلمان ہی رہا، مرتد نہیں ہوا تو وہ صحابی ہے لیکن اگر کسی شخص کی رسول اللہؐ سے ملاقات ہوئی اور پھر وہ مرتد ہو گیا اور پھر اسلام لے آیا لیکن پھر رسول اللہؐ سے ملاقات نہ ہوئی اور اسلام ہی پر اسکا خاتمہ ہوا تو وہ صحابی نہیں ہوگا کیونکہ ارتداد سے تمام نیکیاں تباہ ہو جاتی ہے اسلئے اسکی صحابیت بھی ختم ہوگئی، اب دوبارہ اسلام لانے کے بعد اگر دوبارہ ملاقات کر لیتا ہے اور اسلام ہی پر فوت ہوتا ہے تو صحابی ہوگا لیکن اگر دوبارہ ملاقات نصیب نہیں ہوئی تو صحابی نہیں ہوگا۔ یہ اصح مسلک ہے جو امام مالکؒ اور امام ابوحنیفہؒ کا ہے لیکن امام شافعیؒ کے نزدیک درمیان میں ردت کے آنے کے باوجود بھی وہ صحابی ہی رہیگا اگر اسکا خاتمہ ایمان پر ہو۔

فوائدِ قیود:

(۱) ملاقات: یعنی صحابی وہ شخص ہوگا جسکی رسول اللہؐ سے بحالتِ اسلام ملاقات

ہوئی ہو اور وہ مرتے دم تک مسلمان ہی رہا ہو چاہے اسنے آپکو دیکھا ہو یا نہ دیکھا ہو جیسا کہ حضرت عبد اللہ ابنِ امِّ مکتوم ایک نابینا صحابی تھے جنہوں نے آپ ﷺ کو دیکھا تو نہیں لیکن آپ ﷺ سے بحالتِ اسلام ملاقات کی اور پھر مرتے دم تک مسلمان ہی رہے، تو معلوم ہوا کہ صحابیت میں لقاء معتبر ہے نہ کہ رویت۔

(۲) ملاقات عام ہے چاہے ساتھ بیٹھنا ہو یا ساتھ چلنا یا ایک دوسرے کے پاس جانا اگر چہ بات چیت نہ ہوئی ہو۔ لہذا جو شخص آپ ﷺ کے ساتھ بیٹھا ہو یا آپ ﷺ کے ساتھ چلا ہو یا آپ ﷺ کے پاس آیا ہو یا آپ ﷺ اسکے پاس گئے ہوں وہ صحابی ہوگا اگر چہ آپس میں بات چیت نہ ہوئی ہو۔

(۳) تعریف میں ''لقاء'' بمنزلہ جنس کے ہے اور ''مُسْلِماً'' فصل ہے لہذا اس وہ لوگ نکل جائیں گے جنہوں نے بحالتِ کفر آپ ﷺ سے ملاقات کی۔

''مُسْلِماً'' کی قید ''مُؤْمِناً'' کی قید سے بہتر ہے اسلئے کہ اس قید سے وہ اہلِ کتاب بھی نکل جائیں گے جنہوں نے آپ ﷺ سے ملاقات کی ہے کیونکہ وہ مومن تو ہے اسلئے کہ وہ دوسرے کسی نہ کسی نبی پر ایمان رکھتے ہیں لیکن مسلم نہیں ہیں کیونکہ وہ مذہبِ اسلام کے پیروکار نہیں ہے، لہذا انکی ملاقات بحالتِ اسلام نہیں ہے، لیکن ''مُؤْمِناً'' کی قید سے وہ نہیں نکلیں گے کیونکہ مومن وہ بھی ہیں اگر چہ دوسرے نبی پر ایمان رکھتے ہیں۔ اسی وجہ سے حافظ ابنِ حجرؒ نے ''مُؤْمِناً'' کو ''بِہٖ'' کے ساتھ مقید کیا ہے یعنی وہ رسول اللہ پر ایمان رکھتے ہوں، اس صورت میں اہلِ کتاب ''مُؤْمِناً'' کی قید سے نکل جائیں گے۔ کیونکہ وہ آپ ﷺ پر ایمان نہیں رکھتے۔

صحابی کی صحبت کی معرفت کے طریقے:

(۱) تواتر: کچھ اشخاص کا صحابی ہونا تواتر سے معلوم ہوتا ہے جیسے حضرت ابوبکر صدیق، عمر فاروق، عثمانِ غنی، علیِ مرتضی اور عشرۂ مبشرہ وغیرہ۔

(۲) شہرت: کچھ اشخاص کا صحابی ہونا شہرت سے معلوم ہوتا ہے جیسے ضِمام بن ثعلبہ اور عُکاشہ بن محصن۔

(۳) صحابی کی خبر: کچھ اشخاص کا صحابی ہونا دوسرے صحابی کے خبر دینے سے معلوم ہوتا ہے یعنی اگر کوئی صحابی کسی دوسرے شخص کے بارے میں یہ کہدے کہ اُسے صحبتِ رسول اللہ حاصل ہے تو اِس سے اُس کی صحابیت ثابت ہو جائیگی۔

(۴) ثقہ تابعی کی خبر: کچھ اشخاص کا صحابی ہونا کسی ثقہ تابعی کے خبر دینے سے معلوم ہوتا ہے یعنی اگر کوئی ثقہ تابعی کسی شخص کے بارے میں یہ کہدے کہ اُسے صحبتِ رسول اللہ حاصل ہے تو اِس سے اُس کی صحابیت ثابت ہو جائیگی۔

(۵) عادل شخص کی خود کی خبر: اگر کوئی عادل آدمی اپنے بارے میں یہ خبر دے کہ وہ صحابی ہے اور اسکا یہ دعوی ممکن بھی ہے یعنی اسکا یہ دعوی ۱۱۰ ہجری سے پہلے - پہلے ہے تو مقبول ہوگا اور اگر اسکے بعد ہے تو مردود ہوگا جیسا کہ رتن ہندی نے ہجرت کے چھ سو سال بعد صحابیت کا دعوی کیا تھا، یہ ایک جھوٹا اور دجال شخص تھا۔

تعدیلِ صحابہ:

صحابہ تمام کے تمام عادل ہیں یعنی وہ روایات میں بالقصد جھوٹ بولنے اور تحریف کرنے سے محفوظ رہے۔ لہذا انکی روایات انکی عدالت میں بحث کئے بغیر قبول کی جائیں گی۔

زیادہ روایت کرنے والے صحابہ:

(۱) حضرت ابو ہریرہؓ: انہوں نے ۵۳۷۴ حدیثیں روایت کی ہیں اور ان سے تین سو زیادہ راویوں نے روایت کی ہے۔

(۲) ابنِ عمرؓ: انہوں نے ۲۶۳۰ حدیثیں روایت کی ہیں۔

(۳) انس بن مالکؓ: انہوں نے ۲۲۸۶ حدیثیں روایت کی ہیں۔

(۴) ام المومنین عائشہؓ: انہوں نے ۲۲۱۰ حدیثیں روایت کی ہیں۔

(۵) ابنِ عباسؓ: انہوں نے ۱۶۶۰ حدیثیں روایت کی ہیں۔

(۶) جابر بن عبداللہؓ: انہوں نے ۱۵۴۰ حدیثیں روایت کی ہیں۔

زیادہ فتویٰ دینے والے صحابہ:

زیادہ فتویٰ دینے والے صحابہ، عمر بن خطاب، علی بن طالب، ابنِ مسعود، ابنِ عمر، ابنِ عباس، زید بن ثابت اور ام المومنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہم اجمعین ہیں اور ان مذکورہ مفتیانِ کرام میں سب زیادہ فتوے حضرت ابنِ عباس سے منقول ہیں۔ اور فتویٰ دینے میں کچھ اور صحابہ ان مفتیانِ کرام سے قریب ہیں، وہ یہ ہیں: حضرت ابوبکر صدیق، عثمانِ غنی، ابوموسیٰ اشعری، معاذ، سعد بن ابی وقاص، ابو ہریرہ، عبداللہ بن عمرو، سلمانِ فارسی، جابر، طلحہ، زبیر، عبدالرحمٰن بن عوف، عمران بن حُصَین، ابوبکرہ نُفَیع، عُبادہ بن صامت، عبداللہ بن زُبیر اور امِ سلمہ رضی اللہ عنہم اجمعین۔

نوٹ:

بعض اصولِ فقہ کی کتابوں میں مذکور ہے کہ حضرت ابو ہریرہ فقیہ نہیں ہیں حالانکہ یہ صحیح نہیں ہے کیونکہ وہ حضورؐ کے دور میں بھی فتویٰ دیا کرتے تھے اور آپؐ کے بعد بھی، اور اس دور میں صرف وہی حضرات فتویٰ دیا کرتے تھے جو فقیہ ہوتے تھے۔

فائدہ:

سب سے افضل صحابی حضرت ابوبکر صدیقؓ ہیں پھر حضرت عمر فاروقؓ پھر حضرت عثمانِ غنی پھر حضرت علی بن طالبؓ پھر عشرۂ مبشرہؓ پھر اہلِ بدرؓ پھر اہلِ احدؓ پھر بیعتِ رضوان میں شرکت کرنے والے صحابۂ کرامؓ ہیں۔

فائدہ:

آزاد مردوں میں سب سے پہلے حضرت ابوبکر صدیقؓ اسلام لائے اور عورتوں میں خدیجہ ام المومنینؓ اور بچوں میں علی بن طالبؓ اور آزاد کردہ غلاموں میں حضرت زید بن حارثہؓ اور غیر آزاد کردہ غلاموں میں بلال بن رَباح اسلام لائے، رضی اللہ عنہم اجمعین۔

سب سے آخری صحابی:

ابوطفیل عامر بن واثلہ لیثی سب آخری صحابی ہیں جنکی وفات ایک قول کے مطابق سنہ ۱۰۰ ہجری میں ہوئی اور دوسرے قول کے مطابق سنہ ۱۱۰ ہجری میں ہوئی۔

تابعی:

مَنْ لَقِيَ صَحَابِيّاً مُسْلِماً وَمَاتَ عَلَى الإِسْلَامِ وَلَمْ تَتَخَلَّلْ ذٰلِكَ رِدَّةٌ

جو شخص کسی صحابی سے اسلام کی حالت میں ملا ہو اور اسلام ہی پر اسکا خاتمہ ہوا ہو اور درمیان میں وہ مرتد نہ ہوا ہو۔

وضاحت:

جس شخص کی اسلام کی حالت میں کسی صحابی سے ملاقات ہوئی اور پھر وہ مرتے دم تک مسلمان ہی رہا، مرتد نہیں ہوا تو وہ تابعی ہے، لیکن اگر کسی شخص کی صحابی سے ملاقات ہوئی اور پھر وہ مرتد ہو گیا اور پھر اسلام لے آیا لیکن پھر کسی صحابی سے ملاقات نہ ہوئی اور اسلام ہی پر اسکا خاتمہ ہوا تو وہ تابعی نہیں ہوگا کیونکہ ارتداد سے تمام نیکیاں تباہ ہو جاتی ہے اسلئے اسکی تابعیت بھی ختم ہوگئی، اب دوبارہ اسلام لانے کے بعد اگر دوبارہ کسی صحابی سے ملاقات کر لیتا ہے اور اسلام ہی پر فوت ہوتا ہے تو تابعی ہوگا لیکن اگر دوبارہ ملاقات نصیب نہیں ہوئی تو تابعی نہیں ہوگا۔ یہ اصح مسلک ہے جو امام مالکؒ اور امام ابوحنیفہؒ کا ہے لیکن امام شافعیؒ کے نزدیک درمیان میں ردت کے آنے کے باوجود بھی وہ تابعی ہی رہیگا اگر اسکا خاتمہ ایمان پر ہو۔

فائدہ:

امام ابوحنیفہؒ تابعی ہیں کیونکہ انکی متعدد صحابہ سے ملاقات ہوئی ہے۔

فائدہ:

سب سے افضل تابعی اہلِ مدینہ کے نزدیک ''سعید بن المسیبؒ'' ہیں، اور اہلِ بصرہ کے نزدیک ''حسن بصریؒ'' ہیں، اور اہلِ کوفہ کے نزدیک ''اویس قرنیؒ'' ہیں اور عراقیؒ فرماتے ہیں کہ یہی صحیح ہے کیونکہ حضرت عمرؓ فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ کہتے ہوئے سنا ہے کہ "إِنَّ خَيْرَ التَّابِعِيْنَ رَجُلٌ يُقَالُ لَهٗ أُوَيْس" (سب سے بہتر تابعی اویس نامی شخص ہے)۔

سب سے افضل تابعیہ ''حفصہ بنتِ سیرینؒ، عَمرہ بنتِ عبدالرحمٰنؒ اور ام الدرداءؒ (صغریٰ) ہیں

مُخَضْرَم:

هُوَ الَّذِيْ أَدْرَكَ الْجَاهِلِيَّةَ وَزَمَنَ النَّبِيِّ ﷺ وَلَمْ يَرَهٗ مُسْلِماً

وہ شخص جس نے زمانۂ جاہلیت اور زمانۂ اسلام دونوں کو پایا ہو لیکن آپ ﷺ سے بحالتِ اسلام ملاقات نہ ہوئی ہو۔

وضاحت:

جو شخص زمانۂ جاہلیت کو بھی پائے اور حضور ﷺ کے زمانے کو بھی پائے لیکن بحالتِ اسلام آپ ﷺ کی ملاقات وزیارت سے مشرف نہ ہو سکے تو وہ مخضرم ہے۔ اب یہ دو طرح کے ہیں:

(۱) وہ لوگ جو زمانۂ جاہلیت اور زمانۂ اسلام دونوں کو پائے لیکن آپ ﷺ سے انکی ملاقات بالکل نہ ہوئی ہو نہ بحالتِ کفر، نہ بحالتِ اسلام

(۲) وہ لوگ جو زمانۂ جاہلیت اور زمانۂ اسلام دونوں کو پائے لیکن آپ ﷺ سے انکی ملاقات بحالتِ کفر تو ہوئی ہو لیکن بحالتِ اسلام نہ ہوئی ہو، اب یہ بھی ہو سکتا ہے کہ وہ آپ ﷺ کے زمانہ میں ہی اسلام لے آئے ہوں اور آپ ﷺ سے ملاقات نہ ہوئی ہو اور یہ بھی ہو سکتا

ہے کہ وہ آپؐ کے زمانہ کے بعد اسلام لائے ہوں اسلئے بحالتِ اسلام ملاقات نہ ہوسکی ہو۔

تبع تابعی:

مَنْ لَقِیَ تَابِعِیّاً مُسْلِماً وَمَاتَ عَلَى الإِسْلَامِ

جوشخص کسی تابعی سے اسلام کی حالت میں ملا ہواور اسلام ہی پر اسکا خاتمہ ہوا ہو۔

لطائفِ سند

حدیث کی سندیں تین طرح کی ہیں:

(۱)سندِ عالی (۲)سندِ نازل (۳)سندِ مساوی

سندِ عالی:

هُوَ الَّذِیْ قَلَّ عَدَدُ رِجَالِهِ بِالنِّسْبَةِ إِلیٰ سَنَدٍ آخَرَ یَرِدُ بِهِ ذٰلِكَ الْحَدِیْثُ بِعَدَدٍ أَكْثَرَ

حدیث کی وہ سند جسکے وسائط اسی حدیث کی دوسری سند کی طرف نظر کرتے ہوئے کم ہوں۔

مثال:

حَدَّثَنَا أَبُوْ نُعَیْمٍ عَنْ زَكَرِیَّابْنِ زَائِدَةَ عَنْ عَامِرٍ عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عَمْرِوبْنِ الْعَاصِؓ قَالَ :قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ "اَلْمُسْلِمُ مَنْ سَلِمَ الْمُسْلِمُوْنَ مِنْ لِّسَانِهٖ وَیَدِهٖ"

(ہمیں ابونعیم نے روایت کیا ہے،وہ زکریا بن زائدہ سے،وہ عامر سے،وہ عبداللہ بن عمرو بن العاصؓ سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ ''مسلمان وہ ہے جسکی زبان اور ہاتھ سے دوسرے مسلمان محفوظ رہیں'')

(بخاری)

وضاحت:

حدیث ''اَلْمُسْلِمُ مَنْ سَلِمَ الْمُسْلِمُوْنَ مِنْ لِّسَانِهٖ وَيَدِهٖ'' متعدد سندوں سے مروی ہے لیکن یہ مذکورہ سند سے رسول اللہ تک سب سے کم واسطوں سے پہنچتی ہے کیونکہ اسمیں راوی یعنی امام بخاری اور رسول اللہ کے درمیان صرف چار واسطے ہیں وہ یہ ہیں :(۱)ابو نعیم (۲) زکریا بن زائدہ (۳) عامر (۴) عبداللہ بن عمرو بن العاص ۔اور جو دوسری سندیں ہیں ان میں راوی اور رسول اللہ کے درمیان زیادہ واسطے ہیں۔

سندِ نازل:

هُوَ الَّذِىْ كَثُرَ عَدَدُ رِجَالِهٖ بِالنِّسْبَةِ إلىٰ سَنَدٍ آخَرَ يَرِدُ بِهٖ ذٰلِكَ الْحَدِيْثُ بِعَدَدٍ أَقَلَّ

حدیث کی وہ سند جسکے وسائط اسی حدیث کی دوسری سند کی طرف نظر کرتے ہوئے زیادہ ہوں۔

مثال:

حَدَّثَنَا آدَمُ بْنُ أَبِىْ إِيَاسٍ عَنْ شُعْبَةَ عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ أَبِىْ السَّفَرِ وَ إِسْمَاعِيْلَ عَنِ الشَّعَبِىِّ عَنْ عَبْدِاللّٰهِ بْنِ عَمْرٍو قَالَ :قَالَ النَّبِىُّ ﷺ ''اَلْمُسْلِمُ مَنْ سَلِمَ الْمُسْلِمُوْنَ مِنْ لِّسَانِهٖ وَيَدِهٖ''

(ہمیں آدم بن ابو ایاس نے روایت کیا ہے، وہ شعبہ سے، وہ عبداللہ بن ابو السفر اور اسماعیل سے، وہ شعبی سے، وہ عبداللہ بن عمروؓ سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ ''مسلمان وہ ہے جسکی زبان اور ہاتھ سے دوسرے مسلمان محفوظ رہیں'')

(بخاری)

وضاحت:

حدیث "اَلْـمُسْلِمُ مَنْ سَلِمَ الْمُسْلِمُوْنَ مِنْ لِّسَانِهٖ وَيَدِهٖ" کی یہ دوسری سند ہے جسمیں راوی یعنی امام بخاری اور رسول اللہ کے درمیان پہلی سند کی بنسبت زیادہ یعنی پانچ واسطے ہیں اسلئے یہ نازل ہے اور وہ واسطے یہ ہیں: (۱) آدم بن ابوایاس (۲) شعبہ (۳) عبداللہ بن ابوالسفر اور اسماعیل (۴) شعبی (۵) عبداللہ بن عمروؓ۔ اور جو پہلی سند ہے اس میں راوی یعنی امام بخاری اور رسول اللہ کے درمیان کم یعنی چار واسطے ہیں اسلئے وہ عالی ہے۔

سندِ مساوی:

هُوَ الَّذِیْ سَاوٰی عَـدَدُ رِجَالِهٖ بِالنِّسْبَةِ إِلیٰ سَنَدٍ آخَرَ يَرِدُ بِهٖ ذٰلِكَ الْحَدِيْثُ بِعَدَدٍ مُسَاوٍ

حدیث کی وہ سند جسکے واسطے اسی حدیث کی دوسری سند کی طرف نظر کرتے ہوئے برابر ہوں۔

مثال:

(۱) حَدَّثَنَا مُسَدَّدٌ عَنْ يَحْيٰ عَنْ إِسْمَاعِيْلَ بْنِ أَبِيْ خَالِدٍ عَنْ عَامِرٍ عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عَمْرٍو قَالَ: قَـالَ الـنَّبِـيُّ ﷺ "اَلْـمُسْـلِمُ مَنْ سَلِمَ الْمُسْلِمُوْنَ مِنْ لِّسَانِهٖ وَيَدِهٖ"

(ہمیں مسدد نے روایت کیا ہے، وہ یحیٰ سے، وہ اسماعیل بن ابوخالد سے، وہ عامر سے، وہ عبداللہ بن عمروؓ سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ "مسلمان وہ ہے جسکی زبان اور ہاتھ سے دوسرے مسلمان محفوظ رہیں")

(أبوداؤد)

(۲) حَدَّثَنَا عَمْرُو بْنُ عَلِيٍّ عَـنْ يَحْيٰ عَنْ إِسْمَاعِيْلَ عَنْ عَامِرٍ عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عَمْرٍو قَالَ: قَالَ النَّبِيُّ ﷺ "اَلْمُسْلِمُ مَنْ سَلِمَ الْمُسْلِمُوْنَ مِنْ لِّسَانِهٖ وَيَدِهٖ"

(ہمیں عمرو بن علی نے روایت کیا ہے، وہ یحیٰ سے، وہ اسماعیل سے، وہ عامر سے، وہ عبداللہ بن عمروؓ سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ "مسلمان وہ ہے جسکی زبان اور ہاتھ سے دوسرے مسلمان محفوظ رہیں")

(نسائی، کبریٰ)

وضاحت:

حدیث "اَلْمُسْلِمُ مَنْ سَلِمَ الْمُسْلِمُوْنَ مِنْ لِّسَانِهٖ وَيَدِهٖ" کی مذکورہ دونوں سندیں ایک دوسری کے مساوی ہیں کیونکہ ان میں سے پہلی سند میں بھی راوی یعنی امام ابوداؤد اور رسول اللہ کے درمیان پانچ واسطے ہیں اور وہ واسطے یہ ہیں: (۱) مسدد (۲) یحیٰ (۳) اسماعیل (۴) عامر (۵) عبداللہ بن عمروؓ۔ اور ان میں سے دوسری سند میں بھی راوی یعنی امام نسائی اور رسول اللہ کے درمیان پانچ واسطے ہیں، اور وہ یہ ہیں: (۱) عمر بن علی (۲) یحیٰ (۳) اسماعیل (۴) عامر (۵) عبداللہ بن عمروؓ۔ اسلئے یہ سندیں ایک دوسری کے مساوی ہیں۔

خلاصہ:

اگر کوئی حدیث متعدد سندوں سے مروی ہے تو جو سند سب سے کم واسطوں سے مروی ہے یعنی رسول اللہ تک وہ سند درمیان میں بہت ہی کم لوگوں کے واسطے سے پہنچ جاتی ہے وہ "عالی" ہے، اور جو سند رسول اللہ تک سب سے زیادہ واسطوں سے پہنچتی ہے وہ "نازل" ہے، اور جو سندیں برابر واسطوں سے رسول اللہ تک پہنچ جاتی ہیں وہ "مساوی" ہیں۔

اقسامِ علو:

علو کی دو قسمیں ہیں: (۱) علوِّ مطلق　　(علوِّ نسبی)

(۱) علوِّ مطلق (عالیِ مطلق):

مَاقَرُبَ مِنْ "رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ"

حدیث کی وہ سند جو اسکی دوسری ایک یا متعدد سندوں کے مقابلے میں کم واسطوں سے "رسول اللہ ﷺ" تک پہنچے۔

علوّ نِسْبی (عالي نِسْبی):

مَاقَرُبَ مِنْ " إِمَامٍ مِنْ أَئِمَّةِ الْحَدِيْثِ "

حدیث کی وہ سند جو اسکی دوسری ایک یا متعدد سندوں کے مقابلے میں کم واسطوں سے کسی "حدیث کے امام" تک پہنچے۔

وضاحت:

تفصیل اسکی یہ ہے کہ "علوِّ مطلق" اس وقت پایا جائیگا جب کسی سند میں وسائط کی تعداد راوی اور "رسول اللہ" کے درمیان دوسری سندوں کی بنسبت کم ہو، اور "علوِّ نِسْبی" اس وقت پایا جائیگا جب کسی سند میں وسائط کی تعداد راوی اور کسی "امامِ حدیث" کے درمیان دوسری سندوں کی بنسبت کم ہو اگر چہ راوی اور رسول اللہ کے درمیان وسائط کی تعداد زیادہ ہو یعنی "علوِّ مطلق" میں راوی اور رسول اللہ کے درمیان وسائط کی کمی کا اعتبار ہے اور "علوِ نِسْبی" میں راوی اور کسی "امامِ حدیث" کے درمیان وسائط کی کمی کا اعتبار ہے اگر چہ راوی اور رسول اللہ کے درمیان وسائط زیادہ ہوں مثلاً ایک حدیث کی سند میں راوی اور رسول اللہ کے درمیان صرف تین واسطے ہیں اور اسی حدیث کی دوسری سندوں میں زیادہ واسطے ہیں تو تین واسطوں والی "عالیِ مطلق" ہے اور زیادہ واسطوں والی "نازلِ مطلق" ہے۔

اسی طرح اگر مثلاً کسی حدیث کی سند میں راوی اور کسی "امامِ حدیث" کے درمیان صرف تین واسطے ہیں اور اسی حدیث کی دوسری سندوں میں زیادہ واسطے ہیں تو تین واسطوں والی "عالیِ نِسْبی" ہے اور زیادہ واسطوں والی "نازلِ نِسْبی" ہے۔

علوِّ نسبی کی چار قسمیں ہیں:

(۱) موافقت (۲) بدل (۳) مساوات (۴) مصافحہ

موافقت:

هِيَ الْوُصُوْلُ إِلىٰ شَيْخِ أَحَدِ الْمُصَنِّفِيْنَ مِنْ غَيْرِ طَرِيْقِهٖ بِعَدَدٍ أَقَلَّ مِمَّا لَوْرَوىٰ مِنْ طَرِيْقِهٖ عَنْهُ

مصنفِ کتاب کے سلسلۂ سند کے علاوہ دوسری سند سے مصنفِ کتاب کے شیخ تک کم واسطوں سے پہنچنا۔

مثال:

حافظ ابنِ حجرؒ نے شرحِ نخبہ میں فرمایا کہ: ایک حدیث کو امام بخاریؒ کے شیخ قُتَیْبَة سے امام بخاریؒ بھی نقل کرتے ہیں اور أَبُوْعَبَّاس سِرَاج بھی نقل کرتے ہیں اگر ہم بھی اسے امام بخاری کے طریق سے روایت کریں یعنی "البُخَارِيّ عَنْ قُتَيْبَةَ عَنْ مَالِكٍ" سے تو ہمارے اور امام بخاری کے شیخ (قُتَیْبہ) کے درمیان آٹھ واسطے ہیں اور اگر ہم اسے "أَبُوْعَبَّاس سِرَاج عَنْ قُتَيْبَةَ" کی سند سے روایت کریں تو ہمارے اور امام بخاری کے شیخ (قُتَیْبہ) کے درمیان سات واسطے ہیں تو اِس طریق سے ہمیں امام بخاری کے ساتھ انکے شیخ میں موافقت ہوجاتی ہے اور کم واسطوں سے ہوتی ہے۔ اسلئے سند بھی عالی ہوجاتی ہے لیکن عالیِ نسبی ہوتی ہے کیونکہ واسطوں کی کمی راوی اور ایک امامِ حدیث قتیبہ کے درمیان ہوئی ہے نہ کہ راوی اور رسول اللہ کے درمیان۔

بدل:

هِيَ الْوُصُوْلُ إِلىٰ شَيْخِ شَيْخِ أَحَدِ الْمُصَنِّفِيْنَ مِنْ غَيْرِ طَرِيْقِهٖ بِعَدَدٍ أَقَلَّ مِمَّا لَوْرَوىٰ مِنْ طَرِيْقِهٖ عَنْهُ

مصنفِ کتاب کے سلسلۂ سند کے علاوہ دوسری سند سے مصنفِ کتاب کے شیخ کے شیخ

تک کم واسطوں سے پہنچنا۔

مثال:

حافظ ابنِ حجرؒ نے فرمایا کہ: ایک حدیث کو امام بخاریؒ کے شیخ کے شیخ امام مالک سے امام بخاریؒ کے شیخ یعنی قُتَیْبہ بھی نقل کرتے ہیں اور ابو عباس سراج کے دوسرے شیخ قَعْنَبی بھی نقل کرتے ہیں اگر ہم بھی اسے امام بخاری کے طریق سے روایت کریں یعنی "البُخارِیِّ عَنْ قُتَیْبَةَ عَنْ مَالِكٍ" سے تو ہمارے اور امام بخاری کے شیخ کے شیخ (امام مالک) کے درمیان نو واسطے ہیں اور اگر ہم اسے "أَبُوْعَبَّاس سِرَاج عَنْ قَعْنَبِیٍّ عَنْ مَالِكٍ" والی سند سے روایت کریں تو ہمارے اور امام بخاری کے شیخ کے شیخ امام مالک کے درمیان آٹھ واسطے ہیں تو اِس طریق سے ہمارا اور امام بخاریؒ کا شیخ بدل گیا ہے کیونکہ انکے شیخ قُتَیْبہ ہیں اور ہمارے شیخ قعنْبی ہیں اور یہ سند امام بخاریؒ کے شیخ کے شیخ امام مالک تک جا پہنچتی ہے اور کم واسطوں سے پہنچتی ہے۔ اسلئے سند بھی عالی ہو جاتی ہے لیکن عالیِ نسبی ہوتی ہے کیونکہ واسطوں کی کمی راوی اور ایک امامِ حدیث امام مالک کے درمیان ہوئی ہے نہ کہ راوی اور رسول اللہ کے درمیان۔

نوٹ:

موافقت میں اس بات کا اعتبار ہے کہ مصنف کے شیخ تک دوسری سند سے پہنچا جائے، اب چاہے کم واسطوں سے پہنچا جائے یا برابر واسطوں سے، لیکن چونکہ عموماً کم واسطوں سے پہنچتے ہیں اسلئے تعریف میں یہ قید لگا دیتے ہیں کہ مصنفِ کتاب کے سلسلۂ سند کے علاوہ دوسری سند سے مصنفِ کتاب کے شیخ تک "کم واسطوں سے پہنچنا"۔

اسی طرح بدل میں اس بات کا اعتبار ہے کہ مصنف کے شیخ کے شیخ تک دوسری سند سے پہنچا جائے، اب چاہے کم واسطوں سے پہنچا جائے یا برابر واسطوں سے، لیکن چونکہ عموماً کم واسطوں سے پہنچتے ہیں اسلئے تعریف میں یہ قید لگا دیتے ہیں کہ مصنفِ کتاب کے

سلسلۂ سند کے علاوہ دوسری سند سے مصنفِ کتاب کے شیخ تک ''کم واسطوں سے پہنچنا''۔

مساوات:

هِيَ اسْتِوَاءُ عَدَدِ الْإِسْنَادِ مِنَ الرَّاوِيْ إِلىٰ آخِرِهٖ مَعَ إِسْنَادِ أَحَدِ الْمُصَنِّفِيْنَ

یہ ہے کہ ہم سے لیکر آخرِ سند تک کسی حدیث کی سند کے روات کی جو تعداد ہے وہ کسی مصنفِ کتاب سے لیکر آخرِ سند تک روات کی تعداد کے برابر ہو جائے۔

مثال:

مثلاً امام نسائی ایک حدیث روایت کرتے ہیں اور انکی سند میں آخرِ سند یعنی رسول اللہ یا صحابی یا تابعی یا تبعِ تابعی تک دس راوی ہیں، اب اگر ہم امام نسائی کے علاوہ کسی دوسری سند سے وہی حدیث روایت کریں اور ہمارے اور آخرِ سند یعنی رسول اللہ یا صحابی یا تابعی یا تبعِ تابعی کے درمیان بھی دس ہی واسطے ہوں تو ہمارے اور امام نسائی کے درمیان مساوات ہو جائیگی۔

مصافحہ:

هِيَ اسْتِوَاءُ عَدَدِ الْإِسْنَادِ مِنَ الرَّاوِيْ إِلىٰ آخِرِهٖ مَعَ إِسْنَادِ تِلْمِيْذِ أَحَدِ الْمُصَنِّفِيْنَ

یہ ہے کہ ہم سے لیکر آخرِ سند تک کسی حدیث کی سند کے روات کی جو تعداد ہے وہ کسی مصنفِ کتاب کے کسی شاگرد سے لیکر آخرِ سند تک روات کی تعداد کے برابر ہو جائے۔

مثال:

مثلاً امام نسائی کے کوئی شاگرد ایک حدیث روایت کرتے ہیں اور انکی سند میں آخرِ سند یعنی رسول اللہ ؐیا صحابی یا تابعی یا تبعِ تابعی تک دس راوی ہیں، اب اگر ہم امام نسائی کے شاگرد کے علاوہ کسی دوسری سند سے وہی حدیث روایت کریں اور ہمارے اور رآخرِ سند

یعنی رسول اللہ یا صحابی یا تابعی یا تبعِ تابعی کے درمیان بھی دس ہی واسطے ہوں تو اس طرح پر روایت کرنا ’’مصافحہ‘‘ کہلائیگا، گویا کہ ہمارے اور امام نسائی کے درمیان مصافحہ ہوگیا۔

فوائد:

(۱) کسی بھی حدیث کے صحیح ہونے کے لئے رواۃ کا ثقہ اور عادل ہونا ضروری ہے اسلئے رواۃ کی ثقاہت و عدالت کی تحقیق کرنے کی ضرورت ہے اب جس قدر زیادہ سند میں رواۃ ہونگے اسی قدر تحقیق میں دشواری ہوگی اور جس قدر کم ہونگے اتنی ہی آسانی ہوگی اسی لئے اگر کسی حدیث کی سند میں کم واسطے ہیں وہ ’’عالی‘‘ کہلائیگی اور اگر کسی حدیث کی سند میں زیادہ واسطے ہیں وہ ’’نازل‘‘ کہلائیگی، یہی وجہ ہے کہ بخاری میں ثلاثیات یعنی وہ روایات جنکی سند میں راوی اور رسول اللہ کے درمیان تین واسطے ہیں ممتاز مرتبہ رکھتی ہیں اور اسی طرح مؤطا امام مالک میں ثنائیات یعنی وہ روایات جنکی سند میں راوی اور رسول اللہ کے درمیان دو واسطے ہیں ممتاز مرتبہ رکھتی ہیں۔

(۲) علو ایک پسندیدہ وصف ہے مگر اس وقت جبکہ سندِ عالی میں رواۃ کم ہونے کے ساتھ-ساتھ ثقہ اور معتبر بھی ہوں، لیکن اگر کوئی سند عالی تو ہے یعنی اسمیں رواۃ تو کم ہیں مگر ثقاہت و عدالت میں سندِ نازل کے رواۃ سے کم ہیں تو سندِ نازل ہی عالی مرتبہ ہوگی۔

(۳) موضوع حدیث اور موضوع سند چونکہ بالکل بے اصل ہے اسلئے اسکا کوئی شمار نہیں ہے چاہے وہ کتنی ہی عالی کیوں نہ ہو یعنی اسکے رواۃ کتنے ہی کم کیوں نہ ہوں۔

(۴) جس طرح علو کی مختلف اقسام ہیں مثلاً علوِ مطلق، علوِ نسبی اسی طرح نزول کی بھی مختلف اقسام ہیں مثلاً نزولِ مطلق نزولِ نسبی اور چونکہ نزول کی اقسام علو کی اقسام کی ضد ہیں اسلئے انہیں علو کی اقسام کو مدِ نظر رکھ کر سمجھ لیا جائے۔

(۵) بخاری شریف میں ثلاثیات یعنی وہ روایات جنکی سند میں راوی اور رسول اللہ

کے درمیان تین واسطے ہیں بائیس ۲۲ ہیں۔اور ترمذی شریف میں صرف ایک ثلاثی روایت ہے۔اور ابنِ ماجہ میں پانچ ثلاثیات ہیں لیکن ابنِ ماجہ کی ثلاثیات کے راوی میں کلام ہے، باقی صحاح ستہ میں اور ثلاثیات نہیں ہیں۔

موطا امام مالک میں ثنائیات بہت ہیں "مَالِك عَنْ نَافِعٍ عَنْ بْنِ عُمَرَ" کی سند سے آنے والی تمام روایات ثنائی ہیں کیونکہ ان میں امام مالکؒ اور رسول اللہ کے درمیان صرف دو واسطے میں وہ یہ ہیں (۱) نافعؒ (۲) ابنِ عمرؓ۔اسی طرح "مَالِك عَنِ الزُّهْرِيِّ عَنْ صَحَابِيٍّ" کی سند سے آنے والی تمام روایات ثنائی ہیں کیونکہ ان میں بھی امام مالکؒ اور رسول اللہ کے درمیان صرف دو واسطے میں وہ یہ ہیں (۱) زہریؒ (۲) کوئی ایک صحابیؓ

مسندِ امام اعظم اور امام محمد کی کتاب الآثار میں اس سے بھی زیادہ ثنائیات ہیں بلکہ مسندِ امام اعظم میں ایک واسطے والی روایات بھی ہیں۔

حدیث کی تقسیم روایت کے اعتبار سے

روایت کرنے کے اعتبار سے حدیث شریف کی چار قسمیں ہیں :(۱) روایت الاقران (۲) مدبَّج (۳) روایت الاکابر عن الاصاغر (۴) روایت الاصاغر عن الاکابر

(۱) روایت الاقران:

أَنْ يَرْوِيَ أَحَدُ الْقَرِيْنَيْنِ عَنِ الآخَرِ

ایک ساتھی کا دوسرے ساتھی سے روایت کرنا۔

وضاحت:

جب راوی اور مروی عنہ دونوں روایتِ حدیث سے تعلق رکھنے والی کسی بات میں شریک ہوں مثلاً دونوں ہم عمر ہوں یا ایک ہی استاذ کے شاگرد ہوں پھر کوئی ایک دوسرے سے روایت کرے تو راوی شاگرد بن جائیگا اور مروی عنہ یعنی جس سے روایت کرے وہ استاذ بن جائیگا تو چونکہ ایک دوسرے کا ہم عمر ہے یا دونوں چونکہ ایک ہی استاذ کے شاگرد

ہیں اسلئے ایک دوسرے کے قرین یعنی ساتھی ہونگے اور انکی یہ روایت ''روایت الاقران''،یعنی ''ایک ساتھی کی دوسرے ساتھی سے روایت'' کہلائیگی۔

نوٹ:

یہاں یہ سمجھ لینا ضروری ہے کہ کسی روایت کے روایت الاقران ہونے کے لئے دونوں ساتھیوں میں سے کسی ایک ساتھی کا دوسرے سے روایت کرنا کافی ہے دونوں کا ایک دوسرے سے روایت کرنا شرط نہیں ہے۔

مثال:

سُلَیْمان تَیْمی اور مِسْعَر بن کِدام ایک دوسرے کے ساتھی ہیں لیکن سُلَیْمان تَیْمی کی مِسْعَر بن کِدام سے روایت ملتی ہے مگر مِسعَر بن کِدام کی سُلَیمان تیمی سے روایت نہیں ملتی اسلئے سُلیمان تیمی کی مِسعر بن کِدام سے روایت ''روایت الاقران'' کہلائیگی۔

مُدَبَّج:

أَنْ يَرْوِيَ الْقَرِيْنَانِ كُلُّ وَاحِدٍ مِنْهُمَا عَنِ الآخَرِ

دوساتھیوں میں سے ہر ایک کا دوسرے سے روایت کرنا۔

وضاحت:

جب راوی اور مروی عنہ دونوں روایتِ حدیث سے تعلق رکھنے والی کسی بات میں شریک ہوں مثلاً دونوں ہم عمر ہوں یا ایک ہی استاذ کے شاگرد ہوں تو وہ دونوں ایک دوسرے کے قرین یعنی ساتھی ہونگے پھر اگر ان میں سے ہر ایک دوسرے سے روایت کرے تو انکی یہ روایت ''مُدَبَّج'' کہلائیگی۔

نوٹ:

یہاں یہ سمجھ لینا ضروری ہے کہ روایت الاقران میں دونوں ساتھیوں میں سے کسی ایک ساتھی کا دوسرے سے روایت کرنا کافی ہے دونوں کا ایک دوسرے سے روایت کرنا

شرط نہیں ہے یعنی اگر صرف ایک ساتھی دوسرے سے روایت کرتا ہے اور دوسرا اس سے روایت نہیں کرتا تو بھی وہ روایت ''روایت الاقران'' کہلائیگی اور اگر دونوں ہی ایک دوسرے سے روایت کرتے ہیں تو بھی وہ روایت الاقران کہلائیگی لیکن مدَبَّج میں دونوں ساتھیوں میں سے ہرایک کا دوسرے سے روایت کرنا شرط ہے اگر صرف ایک دوسرے سے روایت کرتا ہے اور دوسرا اس سے روایت نہیں کرتا تو وہ روایت الاقران تو کہلائیگی لیکن مُدبَّج نہیں کہلائیگی یعنی روایت الاقران عام ہے اور مدبج خاص ہے۔

مثال:

حضرت عائشہ اور حضرت ابو ہریرہ چونکہ ایک ہی استاذ یعنی رسول اللہ کے شاگرد ہیں اسلئے وہ ایک دوسرے کے قرین یعنی ساتھی ہوئے اسلئے ''حضرت عائشہ کی حضرت ابوہریرہ سے روایت اور حضرت ابوہریرہ کی حضرت عائشہ سے روایت ''مُدَبَّج'' کہلائیگی۔

تنبیہ:

اگر استاذ شاگرد سے روایت کرے تو وہ روایت الاکابر عن الاصاغر ہے مدبج نہیں ہے کیونکہ مدبج ساتھی کی ساتھی سے روایت کو کہتے ہیں۔

روایت الاقران اور مدبج کو جاننے کا فائدہ:

کیونکہ اصل یہ ہے کہ شاگرد استاذ سے روایت کرے تو جب ایک ساتھی دوسرے ساتھی سے روایت کریگا اور سند میں اس مروی عنہ ساتھی کا ذکر آئیگا تو روایت الاقران اور مدبج کو نہ جاننے والا یہ سمجھے گا کہ مروی عنہ تو استاذ ہے اور یہاں ساتھی کا بھی ذکر ہے اسلئے یہ راوی سے زیادتی ہوگئی ہے لیکن جب اس کا علم ہوگا تو وہ فوراً سمجھ لیگا کہ یہ زیادتی نہیں ہے بلکہ یہ روایت الاقران اور مدبج کے قبیل سے ہے۔

اسی طرح جب ایک کوئی شخص یہ کہے کہ ''حَدَّثَنَا فُلَانٌ وَ فُلَانٌ'' یعنی مجھے یہ حدیث

فلاں اور فلاں سے پہنچی ہے اور ان فلانوں میں سے ایک استاذ ہے اور ایک ساتھی ہے تو روایت الاقران اور مدبج کو نہ جاننے والے کو یہ وہم ہوسکتا ہے کہ یہ "حَدَّثَنَا فُلَانٌ عَنْ فُلَان " ہے اور غلطی سے واؤ "عَنْ" سے بدل گیا ہے، لیکن جب انکا علم ہوگا تو وہ فوراً سمجھ لیگا کہ یہاں واؤ "عَن" سے نہیں بدلا ہے بلکہ یہ روایت الاقران اور مدبج کے قبیل سے ہے۔

روایت الاکابر عن الاصاغر:

رِوَایَةُ الشَّخْصِ عَمَّنْ هُوَ دُوْنَهٗ فِیْ السِّنِّ وَالطَّبَقَةِ أَوْ فِیْ الْعِلْمِ وَالْحِفْظِ

کسی شخص کا دوسرے ایسے شخص سے روایت کرنا جو عمر اور مرتبہ میں یا علم وحفظ میں اس سے چھوٹا ہو۔

وضاحت:

روایت الاکابر عن الاصاغر کی صورت یہ ہے کہ کوئی شخص ایسے شخص سے روایت کرے جو علم وضبط میں بھی اس سے کمتر ہے اور عمر میں بھی اس سے چھوٹا ہے یا کوئی شخص ایسے شخص سے روایت کرے جو صرف علم وضبط میں کمتر ہو لیکن عمر میں بڑا ہو، تو چونکہ یہاں راوی عمر اور علم وضبط دونوں میں یا صرف علم وضبط میں مروی عنہ سے بڑا ہے اسلئے اسکی روایت کو "روایت الاکابر عن الاصاغر" کہیں گے۔

مثال:

صحابی کا تابعی سے روایت کرنا، تابعی کا تبعِ تابعی سے روایت کرنا، استاذ کا شاگرد سے روایت کرنا اور اسی طرح باپ کا بیٹے سے روایت کرنا، سب اسی کے ذیل میں آتے ہیں۔

روایت الاکابر عن الاصاغر کی معرفت کا فائدہ:

(ا) چونکہ عام طور پر مروی عنہ راوی سے بڑا اور افضل ہوتا ہے تو جس شخص کو روایت

الاکابر عن الاصاغر کا علم نہیں ہے تو وہ ایسی روایت کی سند میں بھی یہی سمجھے گا کہ مروی عنہ ہی راوی سے بڑا اور افضل ہے حالانکہ معاملہ برعکس ہے کیونکہ یہاں راوی مروی عنہ سے بڑا اور افضل ہے لیکن جس شخص کو ''روایت الاکابر عن الاصاغر'' کا علم ہے وہ فوراً سمجھ لیگا کہ یہاں مروی عنہ راوی سے بڑا اور افضل نہیں ہے بلکہ چھوٹا اور کمتر ہے کیونکہ یہ روایت الاکابر عن الاصاغر کے قبیل سے ہے۔

(۲) چونکہ عام طور پر چھوٹے اور کمتر اپنے سے بڑے اور افضل شخص سے روایت کرتے ہیں اسلئے کوئی شخص جب سند میں بڑے اور افضل شخص کو اپنے سے چھوٹے اور کمتر شخص سے روایت کرتے ہوئے دیکھے گا تو اسے یہ وہم ہو سکتا ہے کہ یہاں سند میں قلب ہو گیا ہے یعنی جو بڑا اور افضل ہے اسے راوی لکھ دیا گیا ہے حالانکہ وہ مروی عنہ ہے اور جو چھوٹا اور کمتر ہے اسے مروی عنہ لکھ دیا گیا ہے حالانکہ وہ راوی ہے لیکن جب اسے روایت الاکابر عن الاصاغر کا علم ہو گا تو وہ فوراً سمجھ لے گا کہ یہ ''روایت الاکابر عن الاصاغر'' کے قبیل سے ہے۔

روایت الاصاغر عن الاکابر:

رِوَايَةُ الشَّخْصِ عَمَّنْ هُوَ فَوْقَهٗ فِيْ السِّنِّ وَالطَّبَقَةِ أَوْ فِيْ الْعِلْمِ وَالْحِفْظِ

کسی شخص کا دوسرے ایسے شخص سے روایت کرنا جو عمر اور مرتبہ میں یا علم و حفظ میں اس سے بڑا ہو۔

وضاحت:

روایت الاصاغر عن الاکابر کی صورت یہ ہے کہ کوئی شخص ایسے شخص سے روایت کرے جو علم وضبط میں بھی اس سے افضل ہے اور عمر میں بھی اس سے بڑا ہے یا کوئی شخص ایسے شخص سے روایت کرے جو صرف علم وضبط میں بڑا ہو لیکن عمر میں چھوٹا ہو، تو چونکہ یہاں راوی عمر اور علم وضبط دونوں میں یا صرف علم وضبط میں مروی عنہ سے چھوٹا ہے اسلئے

اسکی روایت کو ''روایت الاصاغر عن الاکابر'' کہیں گے۔

مثال:

تابعی کا صحابی سے روایت کرنا ،تبع تابعی کا تابعی سے روایت کرنا ، شاگرد کا استاذ سے روایت کرنا اوراسی طرح بیٹے کا باپ سے روایت کرنا ،سب اسی کے ذیل میں آتے ہیں۔

فائدہ:

''عَنْ أَبِيْهِ عَنْ جَدِّهٖ '' کی سند سے جتنی روایات مروی ہیں وہ سب روایت الاصاغر عن الاکابر میں داخل ہیں اوراس طرح کی عبارت میں ہر جگہ دونوں ضمیروں کا مرجع پہلا راوی ہوتا ہے مثلاً ''بَهْزُ بْنُ حَكِيْمٍ عَنْ أَبِيْهِ عَنْ جَدِّهٖ '' کا مطلب یہ ہے کہ بہز بن حکیم اپنے والد حکیم سے اور وہ بہز کے دادا سے روایت کرتے ہیں تو یہاں ''أَبِيْهِ '' کی ضمیر کا مرجع بھی بہز ہے یعنی بہز اپنے والد حکیم سے روایت کرتے ہیں اور ''جَدِّهٖ '' کی ضمیر کا مرجع بھی بہز ہے یعنی بہز کے والد حکیم بہز کے دادا سے روایت کرتے ہیں نہ کہ اپنے دادا سے۔لیکن ''عَمْرُو بْنُ شُعَيْبٍ عَنْ أَبِيْهِ عَنْ جَدِّهٖ'' والی سند اس قاعدے سے مستثنٰی ہے اس میں ''أَبِيْهِ ''کی ضمیر کا مرجع عمرو ہے یعنی عمرو اپنے والد شعیب سے روایت کرتے ہیں اور ''جَدِّهٖ ''کی ضمیر کا مرجع عمرو کے والد شعیب ہیں یعنی عمر روایت کرتے ہیں اپنے والد شعیب سے اورانکے والد شعیب روایت کرتے ہیں اپنے دادا عبدا للہ بن عمرو بن العاص سے نہ کہ عمرو کے دادا محمد سے۔فائدہ کے لئے میں انکا سلسلۂ نسب ذکر کرتا ہوں عمرو بن شعیب بن محمد بن عبداللہ بن عمرو بن العاص۔

ملحوظہ:

السابق و اللاحق:

أَنْ يَشْتَرِكَ فِيْ الرِّوَايَةِ عَنْ شَيْخٍ اثْنَانِ تَبَاعَدَ مَابَيْنَ وَفَاتَيْهِمَا

سابق ولاحق ایسے دوراوی ہیں جو کسی شیخ سے روایت کرنے میں شریک ہوں مگران میں سے ایک کا انتقال پہلے ہو گیا ہو اور دوسرے کا بعد میں اور دونوں کی وفات میں معتدبہ فاصلہ ہو۔

نوٹ:

پہلے انتقال کرنے والے کو سابق اور بعد میں انتقال کرنے والے کو لاحق کہتے ہیں۔

سابق ولاحق کی درمیانی مدت اور مثال:

سابق و لاحق کی درمیانی مدت ۱۵۰ سال تک بھی پائی گئی ہے مثلاً ابو طاہر سلَفی (متوفی ۵۷۶ھ) کے دوشاگرد ہیں (۱) ابوعلی بردانی (متوفی ۴۹۸ھ) (۲) ابوطاہر سلفی کے نواسے ابوالقاسم (متوفی ۶۵۰ھ) اب سمجھئے کہ ان دونوں نے ابو طاہر سلَفی سے روایت کی ہے لیکن ابوعلی بردانی کی وفات اپنے استاذ ابوطاہر سلَفی سے بھی ۷۸ سال پہلے (۴۹۸ھ) میں ہوئی ہے اور ابوالقاسم کی وفات ابوعلی بردانی سے ۱۵۲ سال بعد ۶۵۰ھ میں ہوئی ہے تو ابوعلی بردانی سابق ہیں اور ابوالقاسم لاحق ہیں اور انکی وفات کے درمیان کی مدت ۱۵۲ سال ہے۔

مہمل:

أَنْ يَرْوِيَ الرَّاوِيْ عَنْ شَخْصَيْنِ مُتَّفِقَيْنِ فِيْ الْاِسْمِ أَوْ مَعَ اِسْمِ الْأبِ أَوْ نَحْوِ ذٰلِكَ وَلَمْ يَتَمَيَّزَا بِمَا يَخُصُّ كُلُّ وَاحِدٍ مِنْهُمَا

یہ ہے کہ کوئی شخص ایسے دو شخصوں سے روایت کرے جو صرف اپنے ناموں یا ساتھ ساتھ باپ دادا وغیرہ کے ناموں میں بھی متفق ہوں اور انکی کوئی خصوصیت بھی انہیں ممتاز نہ کرے۔

وضاحت:

اگر کئی ہم نام رواۃ ہیں اور کوئی شخص ان میں سے کسی ایک سے کوئی حدیث روایت

کرتا ہے اور اسکا ذکر بھی کرتا ہے لیکن چونکہ اس نام پتہ والے اور بھی کئی روات ہیں اسلئے یہ معلوم کرنا دشوار ہوجاتا ہے کہ اسکی مراد کونسا ہے۔

مثال:

جیسے امام بخاریؒ کی روایت "عَنْ أَحْمَدَ عَنْ ابْنِ وَهَبٍ" میں احمد ایسے شخص ہیں جنکے ہم نام کئی روات ہیں اب امام بخاریؒ کی مراد احمد سے احمد بن صالح بھی ہوسکتے ہیں اور احمد بن عیسیٰ بھی۔

وہ روات جو ہم نام ہونے کی وجہ سے ممتاز نہ ہوں انکی کئی صورتیں ہیں:

(۱) کبھی تو صرف راویوں کے نام ایک ہوتے ہیں۔ رہی بات باپ، دادا کے نام کی تو وہ الگ ہوتے ہیں اور نسبت بھی الگ ہوتی ہے۔

(۲) کبھی راویوں کے نام اور انکے باپ کے نام ایک ہوتے ہیں لیکن دادا کے نام الگ ہوتے ہیں اور نسبت بھی الگ ہوتی ہے۔

(۳) کبھی راویوں کے نام اور انکے باپ کے نام اور انکے دادا کے نام ایک ہوتے ہیں لیکن نسبت الگ ہوتی ہے۔

(۴) کبھی راویوں کے نام اور انکے باپ کے نام اور انکے دادا کے نام بھی ایک ہوتے ہیں اور نسبت بھی ایک ہوتی ہے۔

امتیاز کی ضرورت کیوں پڑتی ہے:

اگر ہم نام روات سبھی ثقہ ہوں تو ان میں امتیاز کی کوئی ضرورت نہیں ہے جیسے امام بخاریؒ کی روایت "عَنْ أَحْمَدَ عَنْ ابْنِ وَهَبٍ" میں احمد سے مراد احمد بن صالح بھی ہوسکتے ہیں اور احمد بن عیسیٰ بھی مگر چونکہ دونوں ثقہ ہیں اسلئے تعیین کی کوئی خاص ضرورت نہیں ہے لیکن اگر ہم نام روات ثقہ اور غیر ثقہ دونوں طرح کے ہوں تو انکے درمیان لازمی

طور پر امتیاز کرنا پڑیگا۔

امتیاز کا طریقہ:

اسبابِ امتیاز چار ہیں :(۱)نسب (باپ دادا)(۲)نسبت(قبیلہ اور پیشہ وغیرہ)(۳)لقب(۴) کنیت

وضاحت:

نسب یعنی اگر صرف راویوں کے ناموں میں اتفاق ہوتو باپ کے نام کے ذریعہ امتیاز کیا جائیگا اور اگر باپ کے ناموں میں بھی اتفاق ہوتو داداؤں کے ناموں کے ذریعہ امتیاز کیا جائیگا اور اگر داداؤں کے ناموں میں بھی اتفاق ہوتو نسبت کے ذریعہ امتیاز کیا جائیگا یعنی رواۃ کے قبیلہ اور پیشہ کے ذریعہ امتیاز کیا جائیگا اور اگر نسبت سے بھی امتیاز نہ ہوسکے تو پھر لقب سے امتیاز کیا جائیگا اور اگر لقب سے بھی امتیاز نہ ہوسکے تو پھر کنیت سے امتیاز کیا جائیگا اور اگر ان چاروں اسباب میں سے کسی کے بھی ذریعہ امتیاز نہ ہوتو پھر راوی کو جس شیخ کے ساتھ صحبت یا وطنیت وغیرہ کی خصوصیت ہوگی اسکی روایت کو اسی کی طرف منسوب کر دیا جائیگا مثلاً ان ہم نام، ہم نسبت، ہم لقب اور ہم کنیت شیوخ میں سے ایک شیخ کے ساتھ راوی کو خصوصیت ہے یعنی راوی اسکے ساتھ عرصۂ دراز رہا ہے یا وہ شیخ راوی کے وطن کا ہے وغیرہ وغیرہ اور ان میں سے دوسرے شیخ کے ساتھ خصوصیت نہیں ہے تو جس شیخ کے ساتھ خصوصیت ہوگی اسکی روایت کو اسی کی طرف منسوب کر دیا جائیگا لیکن اگر خصوصیت بھی دونوں شیخ کے ساتھ برابر ہے تو پھر قرائن اور ظنِ غالب کے ذریعہ امتیاز کیا جائیگا۔

مَنْ حَدَّثَ وَ نَسِيَ :

مَنْ جَحَدَ مَرْوِيَّهٗ جَزْماً أَوْ احْتِمَالاً

وہ شیخ جو اپنی روایت کردہ حدیث کا یقینی یا احتمالی طور پر انکار کرے۔

وضاحت:

جس شیخ سے روایت کی جارہی ہے وہ شیخ اس روایت کا یقینی طور پر انکار کرے، مثلاً کہے ''کہ یہ میری طرف جھوٹی نسبت کر رہا ہے'' یا یہ کہتا ہے کہ ''میں نے یہ روایت بیان نہیں کی''۔ایسی صورت میں وہ روایت قابلِ عمل نہیں ہوگی کیونکہ استاذ اور شاگرد میں سے غیر متعینہ طور پر ایک بالیقین جھوٹا ہے اور جھوٹے کی روایت مقبول نہیں ہوتی۔

جس شیخ سے روایت کی جارہی ہے وہ شیخ اس روایت کا احتمالی طور پر انکار کرے، مثلاً یہ کہے: ''مجھے یہ حدیث یاد نہیں''۔ایسی صورت میں اصح مذہب یہ ہے کہ: حدیث مقبول ہے بشرطیکہ راوی ثقہ ہو، کیونکہ جب راوی ثقہ ہے تو قوی احتمال یہی ہے کہ شیخ نے بالیقین روایت کی ہوگی مگر وہ بھول گئے ہونگے۔

مسلسل:

إِنِ اتَّفَقَ الرُّوَاةُ فِيْ صِيَغِ الْأَدَاءِ أَوْ غَيْرِهَا مِنَ الْحَالَاتِ

وہ حدیث جسکی سند کے روات اسے مسلسل ایک ہی طرح کے صیغوں سے یا ایک ہی حالت پر روایت کر رہے ہوں۔

وضاحت:

حدیثِ مسلسل وہ ہے جسکی سند کے تمام روات اسے ایک ہی صیغے ولفظ کے ساتھ روایت کریں یا بیان کرتے وقت سب کی قولی حالت ایک ہو یا صرف فعلی حالت ایک ہو یا قولی وفعلی دونوں حالتیں ایک ہوں۔

صیغے کے ایک ہونے کی مثال:

یہ ہے کہ سند کے شروع سے آخر تک ہر ایک راوی ''حَدَّثَنَا'' کے ذریعہ روایت کرے یا ہر ایک راوی ''سَمِعْتُ'' کے ذریعہ روایت کرے یا ہر ایک راوی ''قَالَ'' کے ذریعہ روایت کرے وغیرہ۔یعنی تمام روات ایک ہی صیغے سے روایت کریں چاہے وہ صیغہ کوئی سا ہو۔

قولی حالت کے ایک ہونے کی مثال:

نبی کریم ﷺ نے معاذؓ سے ارشاد فرمایا کہ "إِنِّيْ أُحِبُّكَ فَقُلْ فِيْ دُبُرِ كُلِّ صَلوٰةٍ "أَللّٰهُمَّ أَعِنِّيْ عَلىٰ ذِكْرِكَ وَشُكْرِكَ وَحُسْنِ عِبَادَتِكَ" (اے معاذ مجھے تم سے محبت ہے سو تم ہر نماز کے بعد "أَللّٰهُمَّ أَعِنِّيْ عَلىٰ ذِكْرِكَ وَشُكْرِكَ وَحُسْنِ عِبَادَتِكَ" پڑھا کرو

تو جس طرح رسول اللہ ﷺ نے حدیث "أَللّٰهُمَّ أَعِنِّيْ عَلىٰ ذِكْرِكَ وَشُكْرِكَ وَحُسْنِ عِبَادَتِكَ" کو بیان فرماتے وقت حضرت معاذؓ سے "إِنِّيْ أُحِبُّكَ فَقُلْ فِيْ دُبُرِ كُلِّ صَلوٰةٍ" کہا ہے اسی طرح اس حدیث کو روایت کرتے وقت تمام روات اپنے شاگردوں سے کہتے آئے ہیں۔ تو یہ قول میں تمام روات کے متحد ہونے کی مثال ہے۔

فعلی حالت کے ایک ہونے کی مثال:

حضرت ابوہریرہؓ بیان فرماتے ہیں کہ "شَبَّكَ بِيَدِيْ أَبُوْ الْقَاسِمِ ﷺ وَ قَالَ "خَلَقَ اللّٰهُ الأَرْضَ يَوْمَ السَّبْتِ" (رسول اللہؐ نے میری انگلیوں میں اپنی انگلیاں داخل فرما کر ارشاد فرمایا کہ "اللہ تبارک وتعالی نے زمین کو بار کے دن پیدا کیا"

تو اس حدیث "خَلَقَ اللّٰهُ الأَرْضَ يَوْمَ السَّبْتِ" کو بیان فرماتے وقت جس طرح رسول اللہؐ نے اپنی انگلیاں حضرت ابوہریرہؓ کی انگلیوں میں داخل کیں اسی طرح تمام روات اس حدیث کو روایت کرتے وقت مسلسل یہ فعل کرتے آئے ہیں یعنی تمام روات اس حدیث کو روایت کرتے وقت اپنی انگلیاں اپنے شاگردوں کی انگلیوں میں داخل کرتے آئے ہیں۔ تو یہ فعل میں تمام روات کے متحد ہونے کی مثال ہے۔

قولی و فعلی حالت کے ایک ہونے کی مثال:

حضرت انسؓ مرفوعاً روایت کرتے ہیں کہ "لَايَجِدُ الْعَبْدُ حَلَاوَةَ الْإِيْمَانِ حَتّىٰ يُؤْمِنَ بِالْقَدْرِ خَيْرِهٖ وَشَرِّهٖ، حُلْوِهٖ وَ مُرِّهٖ قَالَ أَنَسٌ :وَقَبَضَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ عَلىٰ لِحْيَتِهٖ ،وَقَالَ "آمَنْتُ بِالْقَدْرِ" (بندہ ایمان کا مٹھاس محسوس نہیں کرتا جب تک تقدیر پر

ایمان نہ لائے بھلی تقدیر پر بھی ، بری یعنی نقصان رساں تقدیر پر بھی ،میٹھی تقدیر بھی اور کڑوی تقدیر پر بھی۔حضرت انسؓ فرماتے ہیں کہ یہ ارشاد فرما کر رسول اللہ نے اپنی داڑھی پکڑی اور فرمایا ''میں تقدیر پر ایمان لایا''۔

تو اس حدیث کو ارشاد فرما کر جس طرح رسول اللہؐ نے اپنی داڑھی پکڑ کر یہ ارشاد فرمایا''آمَنْتُ بِالْقَدْرِ'' اسی طرح تمام رواۃ نے اس حدیث کو روایت کرنے کے بعد ''آمَنْتُ بِالْقَدْرِ'' کہا۔تو یہاں سب رواۃ کا فعل بھی ایک ہے کہ سب نے حدیث کو روایت کرنے کے بعد اپنی داڑھی پکڑی ہے اور قول بھی ایک ہے کہ سب نے ''آمَنْتُ بِالْقَدْرِ'' کہا ہے تو یہ تمام رواۃ کے قول و فعل دونوں میں متحد ہونے کے مثال ہے۔

فائدہ:

جس حدیث کی سند کے تمام رواۃ اسے ایک ہی صیغے و لفظ کے ساتھ روایت کریں یا بیان کرتے وقت سب کی قولی یا صرف فعلی حالت ایک ہو یا قولی و فعلی دونوں حالتیں ایک ہوں تو وہ مطلقاً مسلسل ہے اور ایسی حدیث کو کہا جاتا ہے کہ ''هٰذَا حَدِيْثٌ مُسَلْسَلٌ'' اور جس حدیث کی سند کے تمام رواۃ متفق نہ ہوں بلکہ درمیان کے یا آخر کے بعض رواۃ اسے پہلے رواۃ سے الگ صیغے کے ساتھ روایت کریں یا بیان کرتے وقت وہ پہلے رواۃ کی قولی یا فعلی یا دونوں حالتوں کی رعایت نہ کریں تو وہ بھی مسلسل ہے لیکن مقید ہے یعنی اس شخص تک مسلسل ہے جس پر تسلسل ختم ہوا ہے مطلقاً مسلسل نہیں ہے اسی لئے کہا جاتا ہے کہ ''هٰذَا مُسَلْسَلٌ إِلىٰ فُلَانٍ''۔

حکم :

اکثر مسلسل احادیث ایسی ہیں جنکے تسلسل میں خلل واقع ہوا ہے یا ضعف واقع ہوا ہے اگرچہ بعض احادیث تسلسل کے علاوہ دوسرے طریق سے صحیح ہوتی ہے لیکن تسلسل کے طریق سے ان میں عموماً خلل یا ضعف واقع ہوا ہے۔

نوٹ:

مسلسل کی اور بھی بہت سی صورتیں ہے جو مطولات یعنی ظفر الامانی وغیرہ میں مل جائیں گی ہم نے اختصار کے پیشِ نظر یہاں ذکر نہیں کی ہیں۔

ہم نام ہونے کی وجہ سے رواۃ میں اشتباہ اور اسکی اقسام

کبھی کئی رواۃ کے ہم نام ہونے کی وجہ سے اشتباہ ہوجاتا ہے۔اس اعتبار سے رواۃ کی تین قسمیں ہیں:

(۱)متفق ومفترق (۲)مؤتلف ومختلف (۳)متشابہ

(۱)مُتَّفِق و مُفْتَرِق:

أَنْ تَتَّفِقَ أَسْمَاءُ الرُّوَاةِ وَأَسْمَاءُ آبَائِهِمْ فَصَاعِداً خَطّاً وَ لَفْظاً أَوْ تَتَّفِقَ أَسْمَائُهُمْ وَ كُنَاهُمْ أَوْ أَسْمَائُهُمْ وَنِسْبَتُهُمْ وَ نَحْوُ ذٰلِكَ وَتَخْتَلِفَ أَشْخَاصُهُمْ

وہ رواۃ جنکے نام مع ولدیت کے لکھنے میں بھی اور بولنے میں بھی یکساں ہوں یا انکے نام اور کنیتیں یا نام اور نسبتیں وغیرہ یکساں ہوں اور ذاتیں الگ-الگ ہوں۔

وضاحت:

جنکے نام مع ولدیت کے لکھنے میں بھی اور بولنے میں بھی یکساں ہوں یا انکے نام اور کنیتیں یا نام اور نسبتیں وغیرہ یکساں ہوں اور ذاتیں الگ-الگ ہوں اور سند میں ذکر بھی ان نام ونسبت وغیرہ کا ہی ہو جو یکساں ہو،جن چیزوں میں یکسانیت نہ ہو وہ مذکور نہ ہوں۔ ایسے رواۃ کو نام،کنیت یا نسبت وغیرہ کے یکساں ہونے کی وجہ سے ''متفق'' اور ذاتوں کے مختلف ہونے کی وجہ ''مفترق'' کہا جاتا ہے۔

پھر اسکی کئی صورتیں ہے:

(۱)ان رواۃ کا اپنا نام اور انکے باپ کا نام ایک ہو جیسے خلیل بن احمد، کہ اس خلیل

نام اور احمد ولدیت کے چھ راوی ہیں۔

(۲) ان رواۃ کا اپنا نام اور انکے باپ اور انکے دادا کا نام ایک ہو جیسے احمد بن جعفر بن حَمدان، کہ اس احمد نام، جعفر ولدیت اور حَمدان جدِّیَّت کے ایک ہی طبقہ میں چار راوی ہیں۔

(۳) ان رواۃ کی کنیت اور نسبت یکساں ہو جیسے ابوعمران جَوْنی، کہ اس ابوعمران کنیت اور جَوْنی نسبت کے دو راوی ہیں۔

(۴) (ا) ان رواۃ کا اپنا نام اور انکے باپ کا نام ایک ہو اور انکی نسبت بھی ایک ہو جیسے محمد بن عبداللہ انصاری۔ کہ اس محمد نام، عبداللہ ولدیت اور انصاری نسبت کے دو راوی ہے۔

(۵) ان رواۃ کی کنیت اور ولدیت یکساں ہو جیسے ابوبکر بن عیاش۔ کہ اس ابوبکر کنیت اور عیاش ولدیت کے تین راوی ہیں۔

متفق ومفترق کی معرفت کا فائدہ:

(ا) جو مختلف رواۃ نام ونسبت وغیرہ میں شریک ہیں انہیں ایک سمجھنے سے بچنا۔

(۲) جو مختلف رواۃ نام ونسبت وغیرہ میں شریک ہیں انہیں ایک دوسرے سے ممتاز کرنا کیونکہ بعض اوقات ان میں کچھ ضعیف ہونگے اور کچھ ثقہ تو اگر انہیں ایک دوسرے سے ممتاز نہیں کریں گے تو ضعیف کو ثقہ اور ثقہ کو ضعیف قرار دیں گے، اسلئے متفق و مفترق کو جاننا ضروری ہے۔

اسکی مثال میں کونسے رواۃ کو پیش کرنا مستحسن ہے:

اسکی مثال میں ایک ہی نام ونسبت وغیرہ والے ان رواۃ کو پیش کرنا مستحسن ہے جو ایک ہی زمانے کے ہوں اور بعض شیوخ یا شاگردوں میں بھی مشترک ہوں، اور اگر وہ

الگ الگ زمانے میں ہوں تو پھر کوئی اشکال ہی نہیں رہتا، اسلئے مثال میں انہیں پیش کرنا غیر مستحسن ہے۔

(۲) مُؤْتَلِف و مُخْتَلِف:

أَنْ تَتَّفِقَ الأَسْمَاءُ أَوِ الْأَلْقَابُ أَوِ الْكُنىٰ أَوِ الْأَنْسَابُ خَطّاً وَتَخْتَلِفُ لَفْظاً

وہ روات جن کے نام یا القاب یا کنیتیں یا نسبتیں لکھنے میں تو ایک ہوں اور پڑھنے میں مختلف ہوں۔

وضاحت:

مؤتلف ومختلف وہ روات ہیں جن کے نام یا نسبتیں وغیرہ لکھی تو ایک ہی طرح جاتی ہوں لیکن انکا تلفظ الگ-الگ طرح ہوتا ہو جیسے عقیل (یہ عین کے فتحہ اور قاف کے کسرہ کے ساتھ ہے یعنی عَقِیْل)۔اور عقیل (یہ عین کے ضمہ اور قاف کے فتحہ کے ساتھ ہے یعنی عُقَیْل)۔تو یہ دونوں لکھے تو ایک ہی طرح جاتے ہیں جیسے عقیل اور عقیل، لیکن انکا تلفظ الگ-الگ ہے جسے ہم نے حرکتوں کے ذریعے ظاہر کیا ہے یعنی عَقِیْل اور عُقَیْل۔

کیا ان اسماء یا نسبتوں وغیرہ کے پڑھنے کا کوئی ضابطہ ہے:

جو اسماء یا نسبتیں لکھی تو ایک طرح جاتی ہیں اور انکا تلفظ الگ-الگ طرح ہوتا ہے، کیا ان کے پڑھنے کا کوئی ضابطہ ہے یعنی کیا کوئی ایسا اصول ہے جس سے یہ معلوم ہو جائے کہ یہ ایک ہی طرح لکھے جانے والا نام یا نسبت وغیرہ فلاں جگہ اِس طرح پڑھا جائیگا اور فلاں جگہ اُس طرح، مثلاً یہ "عقیل" فلاں جگہ عَقِیْل اور فلاں جگہ عُقَیْل پڑھا جائیگا، تو کیا ایسا کوئی ضابطہ ہے جس معلوم ہو جائے کہ یہ لفظ فلاں جگہ ہوگا تو اسکا تلفظ یہ ہوگا اور فلاں جگہ ہوگا تو اسکا تلفظ یہ ہوگا؟

تو جواب یہ ہے کہ اکثر اسماء وغیرہ کا کوئی ضابطہ نہیں ہے سوائے اسکے کہ انہیں حفظ کیا جائے کہ فلاں جگہ اسکا تلفظ یہ ہے اور فلاں جگہ یہ۔

ہاں کچھ اسماء وغیرہ ایسے ہیں جنکے لئے ضابطہ ہے جیسے یسار، کہ یہ موطا امام مالک اور صحیحین میں جہاں کہیں بھی آیگا یاء اور سین کے ساتھ "یَسَار" ہوگا سوائے "محمد بن بشار" کے، کہ وہ باء اور شین کے ساتھ ہے۔

مؤتلف ومختلف کی معرفت کی اہمیت اور فائدہ:

اس نوع کی معرفت علمِ رجال میں ایک خاص اہمیت کی حامل ہے یہاں تک کہ علی بن المَدِینی فرماتے ہیں کہ "سب سے زیادہ تصحیف راویوں کے ناموں میں واقع ہوتی ہے" کیونکہ اسمیں قیاس کا کوئی دخل نہیں ہے اور نہ ہی سیاق وسباق اس پر دلالت کرتا ہے

۔

اور اس نوع کی معرفت کے ذریعہ غلطی میں پڑنے سے بچا جا سکتا ہے۔

(۳) مُتَشَابه:

أَنْ تَتَّفِقَ أَسْمَاءُ الرُّوَاةِ وَ نَحْوُهَا خَطّاً وَ لَفْظاً وَ تَخْتَلِفَ أَسْمَاءُ الآبَاءِ لَفْظاً لَا خَطّاً أَوْ بِالْعَكْسِ۔

وہ رواۃ جن کے نام وغیرہ خط وتلفظ میں متفق ہوں لیکن آباء کے اسماء تلفظ میں مختلف ہوں البتہ خط میں متفق ہوں یا اسکے برعکس ہو۔

وضاحت:

سند میں مذکور وہ رواۃ ہیں جنکے نام تحریر اور تلفظ دونوں میں متفق ہوں اور انکے باپوں کے نام صرف تحریر میں متفق ہوں اور تلفظ میں مختلف ہوں جیسے محمد بن عَقِیل اور محمد بن عُقَیْل، کہ یہاں راویوں کے نام تو تحریر اور تلفظ دونوں میں متفق ہیں کیونکہ دونوں کا نام "محمد" ہے، اور انکے باپوں کے نام تحریر میں تو متفق ہیں کہ دونوں ایک ہی طرح لکھے جاتے ہے جیسے عقیل اور عقیل، لیکن تلفظ میں مختلف ہیں جسے ہم نے حرکتوں کے ذریعہ ظاہر کر دیا ہے کہ پہلے کے باپ کا نام عَقِیل ہے اور دوسرے کے باپ کا نام عُقَیْل ہے۔

یا اس کے برعکس ہو یعنی راویوں کے باپوں کے نام تو تحریر اور تلفظ دونوں میں متفق ہوں اور راویوں کے نام صرف تحریر میں متفق ہوں اور تلفظ میں مختلف ہوں جیسے شُرَیْح بن نعمان اور سُرَیْج بن نعمان، کہ یہاں راویوں کے باپوں کے نام تو تحریر اور تلفظ دونوں میں متفق ہیں کیونکہ دونوں کے باپوں کا نام ''نعمان'' ہے، اور راویوں کے نام تحریر میں تو متفق ہیں کہ دونوں ایک ہی طرح لکھے جاتے ہے جیسے شریح اور سریج، کہ دونوں کی تحریری صورت ایک ہی طرح کی ہے لیکن تلفظ میں مختلف ہیں جسے ہم نے نقطوں کے ذریعہ ظاہر کر دیا ہے کہ پہلے کا نام ''شُرَیْح'' ہے اور دوسرے کا نام ''سُرَیْج'' ہے۔

یا رواۃ کے اپنے نام اور انکے باپوں کے نام تحریر و تلفظ دونوں میں متفق ہوں مگر انکی نسبتیں صرف تحریر میں متفق ہوں اور تلفظ میں مختلف ہوں جیسے محمد بن عبداللہ مُخَرِّمی اور محمد بن عبداللہ مَخْرَمی، کہ رواۃ اور انکے باپوں کے نام تو تحریر و تلفظ دونوں میں متفق ہیں کیونکہ رواۃ کا نام ''محمد'' ہے اور ان کے باپوں کا نام ''عبداللہ'' ہے، اور انکی نسبتیں تحریر میں تو متفق ہیں کہ دونوں ایک ہی طرح لکھی جاتی ہیں جیسے مخرمی اور مخرمی لیکن تلفظ میں مختلف ہیں جسے ہم نے حرکتوں کے ذریعہ ظاہر کر دیا ہے جیسے مُخَرِّمی اور مَخْرَمی۔

حدیث شریف بیان کرنے کے الفاظ

حدیث بیان کرنے کے بہت الفاظ ہیں جو مراتب کا لحاظ کرتے ہوئے یہاں ذکر کئے جاتے ہیں:

(۱) سَمِعْتُ اور حَدَّثَنِیْ:

یہ واحد کے صیغے ہیں، سَمِعْتُ کے معنی ہیں ''میں نے حدیث سنی'' اور حَدَّثَنِیْ کے معنی ہیں ''مجھ سے حدیث بیان کی''۔ یہ صیغے اس وقت بولے جاتے ہیں جب شاگرد ایک ہو اور شیخ پڑھکر سنائے تو وہ شاگرد بوقتِ روایت ''سَمِعْتُ فُلَانًا'' یا'' حَدَّثَنِیْ فُلَانٌ

"کہیگا۔

(۲) سَمِعْنَا اور حَدَّثَنَا:

یہ جمع کے صیغے ہیں سَمِعْنَا کے معنی ہیں ''ہم نے حدیث سنی'' اور حَدَّثَنَا کے معنی ہیں ''ہم سے حدیث بیان کی''۔ یہ صیغے اس وقت بولے جاتے ہیں جب متعدد شاگرد ہوں اور شیخ پڑھکر سنائے تو ان میں سے ہر ایک شاگرد بوقتِ روایت" سَمِعْنَا فُلَاناً "یا" حَدَّثَنَا فُلَانٌ" کہیگا۔ (جمع کے یہ صیغے کبھی اس وقت بھی بول دئے جاتے ہیں جب ایک ہی شاگرد تنہا شیخ سے سنے)۔

تنبیه:

آج کل جو صورت رائج ہے کہ شاگرد پڑھتا ہے اور شیخ سنتا ہے پہلے زمانے میں شاذ و نادر اور بہت کم تھی بلکہ صورت یہ تھی کہ شیخ حدیث پڑھتا تھا اور تلامذہ سنتے تھے اور پھر اسی طرح روایت کرتے تھے۔

سَمِعْتُ کا مرتبہ:

سَمِعْتُ بیانِ حدیث کے تمام کلمات میں اعلی ہے، اسلئے کہ اس صیغے سے شیخ سے حدیث کا خود سننا صراحۃً ثابت ہوتا ہے، شاگرد اور شیخ کے درمیان میں واسطے کا احتمال نہیں رہتا، پھر شاگرد اگر سننے کے ساتھ ساتھ حدیث کو لکھ بھی لے تو یہ سماعِ حدیث کا سب اعلی درجہ ہے اور اسے املاء کہتے ہیں۔

(۳) أَخْبَرَنِیْ اور قَرَأْتُ عَلَيْهِ:

یہ واحد کے صیغے ہیں، أَخْبَرَنِیْ کے معنی ہیں ''مجھے حدیث کی خبر دی'' اور قَرَأْتُ عَلَيْهِ کے معنی ہیں ''میں نے حدیث شیخ کے سامنے پڑھی''۔ یہ صیغے اس وقت بولے جاتے ہیں جب شاگرد نے تنہا شیخ کے سامنے وہ حدیث پڑھی ہو اور شیخ نے سنی ہو خواہ شیخ نے وہ حدیث حفظ سنی ہو یا کتاب میں دیکھ کر سنی ہو تو وہ شاگرد بوقتِ روایت أَخْبَرَنِیْ فُلَانٌ یا

قَرَأْتُ عَلَى فُلَانٍ کہیگا۔

تنبیہ:

"أخْبَرَنِيْ" بھی "قَرَأْتُ عَلَيْهِ" کی طرح اگر چہ اسی وقت بولا جاتا ہے جب راوی نے شیخ کے سامنے حدیث پڑھی ہو اور شیخ نے سنی ہو مگر جو شخص شیخ کے سامنے حدیث پڑھے اسکے لئے بہتر یہ ہے کہ وہ "قَرَأْتُ عَلَيْهِ" کے ذریعہ تعبیر کرے "أخْبَرَنِيْ" کے ذریعہ تعبیر نہ کرے اسلئے کہ "قَرَأْتُ عَلَيْهِ" میں شیخ کے سامنے پڑھنے کی صراحت زیادہ ہے بنسبت "أخْبَرَنِيْ" کے۔

(٤) أخْبَرَنَا ، قَرَأنَا عَلَيْهِ اور قُرِئَ عَلَيْهِ وَأنَا أسْمَعُ:

یہ جمع کے صیغے ہیں، أخْبَرَنَا کے معنی ہیں "ہمیں حدیث کی خبر دی" اور قَرَأنَا عَلَيْهِ کے معنی ہیں "ہم نے حدیث شیخ کے سامنے پڑھی" اور قُرِئَ عَلَيْهِ وَأنَا أسْمَعُ کے معنی ہیں "شیخ کے سامنے حدیث پڑھی گئی اور میں سن رہا تھا" ان صیغوں کے ذریعے وہ روات حدیث بیان کرتے ہیں جن میں سے کسی ایک نے شیخ کے سامنے حدیث پڑھی ہو اور باقی نے سنی ہو تو بوقتِ روایت ہر ایک راوی أخْبَرَنَا فُلَانٌ یا قَرَأنَا عَلَى فُلَانٍ یا قُرِئَ عَلَى فُلَانٍ وَأنَا أسْمَعُ کہکر روایت کرتا ہے۔

(٥) أنْبَأنِيْ اور أنْبَأنَا:

متقدمین کے نزدیک "أنْبَأنِيْ" "أخْبَرَنِيْ" کی طرح اس وقت بولا جاتا ہے جب شاگرد نے تنہا شیخ کے سامنے وہ حدیث پڑھی ہو اور شیخ نے سنی ہو خواہ شیخ نے وہ حدیث حفظ سنی ہو یا کتاب میں دیکھ کر سنی ہو تو وہ شاگرد بوقتِ روایت أنْبَأنِيْ فُلَانٌ کہیگا۔

اور "أنْبَأنَا" "أخْبَرَنَا" کی طرح ہے، اس صیغہ سے وہ روات حدیث بیان کرتے ہیں جن میں سے کسی ایک نے شیخ کے سامنے حدیث پڑھی ہو اور باقی نے سنی ہو تو بوقتِ روایت ہر ایک راوی أنْبَأنَا فُلَانٌ کہکر روایت کرتا ہے۔

اور متأخرین کے نزدیک عَنْ کی طرح اجازت کے لئے آتا ہے، خلاصہ یہ ہے کہ اگر راوی نے مروی عنہ سے نہ تو کوئی حدیث سنی ہے اور نہ اسکے سامنے پڑھی ہے لیکن اسے مروی عنہ نے اپنی سند سے روایت کرنے کی اجازت دے رکھی ہے تو اگر وہ اس مروی عنہ کے حوالے سے کوئی حدیث بیان کرتا ہے تو لفظِ "أَنْبَأَنِيْ" یا "عَنْ" کا استعمال کریگا اور کہیگا "أَنْبَأَنِيْ فُلَانٌ" یا "عَنْ فُلَانٍ"

(٦) عَنْعَنَه اور حديثِ مُعَنْعَن:

قَوْلُ الرَّاوِيْ "فُلَانٌ عَنْ فُلَانٍ"

وہ حدیث جسے راوی "فُلَانٌ عَنْ فُلَانٍ" کہہ کر روایت کرے۔

لفظِ عَنْ سے روایت کرنے کا نام عَنعنہ ہے اور جو حدیث لفظِ عَنْ کے ذریعہ روایت کی جاتی ہے اسے "معنعن" کہتے ہیں۔

اگر کوئی راوی لفظِ عَنْ کے ذریعہ حدیث بیان کرے تو اس میں دو احتمال ہے (۱) راوی نے مروی عنہ یعنی جسکے حوالے سے حدیث نقل کر رہا ہے اس سے حدیث خود سنی ہو، درمیان میں کوئی واسطہ نہ ہو (۲) راوی نے مروی عنہ سے حدیث خود نہ سنی ہو بلکہ درمیان میں کوئی واسطہ ہو مگر راوی نے وہ واسطہ حذف کر کے مروی عنہ سے براہِ راست حدیث نقل کر دی ہو۔

اب ان میں سے جو احتمال راجح ہوگا اسی کے مطابق حدیثِ معنعن کا حکم ہوگا، اب سمجھئے اگر راوی کی مروی عنہ سے ملاقات ثابت ہے اگرچہ ایک ہی دفعہ ہو اور اسے تدلیس یعنی شیخ کا نام حذف کرنے کی بیماری نہیں ہے تو اس صورت میں چونکہ غالب گمان یہی ہے کہ اسنے مروی عنہ سے براہِ راست سنا ہو اسلئے کہ وہ دونوں ایک دوسرے سے ملے ہیں اور راوی کو تدلیس یعنی شیخ کا نام حذف کرنے کی بیماری نہیں ہے اسلئے اسے احتمالِ اول یعنی براہِ راست سماع پر محمول کیا جائیگا اور حدیثِ معنعن کو متصل قرار دیا جائیگا۔

اور اگر راوی کی مروی عنہ سے ایک دفعہ بھی ملاقات ثابت نہیں ہے لیکن پھر بھی اس سے براہِ راست نقل کررہا ہے تو اس صاف معلوم ہوجاتا ہے کہ راوی اور مروی عنہ کے درمیان کوئی واسطہ ہے جواس نے حذف کردیا ہے اسلئے اس صورت میں حدیثِ معنعن کو منقطع قرار دیا جائیگا۔

اور اگر راوی کی مروی عنہ سے ملاقات تو ثابت ہے لیکن اسے تدلیس یعنی شیخ کا نام حذف کرنے کی بیماری ہے تو اس صورت میں چونکہ غالب گمان یہی ہے کہ اسنے یہاں بھی اپنے اصل شیخ کا نام حذف کرکے اُس مروی عنہ کی طرف نسبت کردی ہو جس سے اسکے شیخ نے سنا ہے نہ کہ اس نے، اسلئے اسے احتمالِ ثانی یعنی بالواسطہ سماع پر محمول کیا جائیگا اور حدیثِ معنعن کو منقطع قرار دیا جائیگا۔

نوٹ:

یہی حال ''قَالَ'' اور ''ذَکَرَ'' کا ہے،

اگر کوئی راوی لفظِ ''قَالَ'' اور ''ذَکَرَ'' کے ذریعہ حدیث بیان کرے تو اس میں بھی دو احتمال ہے (۱) راوی نے مروی عنہ یعنی جسکے حوالے سے حدیث نقل کررہا ہے اس سے حدیث خود سنی ہو، درمیان میں کوئی واسطہ نہ ہو (۲) راوی نے مروی عنہ سے حدیث خود نہ سنی ہو بلکہ درمیان میں کوئی واسطہ ہو مگر راوی نے وہ واسطہ حذف کرکے مروی عنہ سے براہِ راست حدیث نقل کردی ہو۔

اب ان میں سے جو احتمال راجح ہوگا اسی کے مطابق حدیثِ معنعن کا حکم ہوگا، اب سمجھئے اگر راوی کی مروی عنہ سے ملاقات ثابت ہے اگرچہ ایک ہی دفعہ ہو اور اسے تدلیس یعنی شیخ کا نام حذف کرنے کی بیماری نہیں ہے تو اس صورت میں چونکہ غالب گمان یہی ہے کہ اسنے مروی عنہ سے براہِ راست سنا ہو اسلئے کہ وہ دونوں ایک دوسرے سے ملے ہیں اور راوی کو تدلیس یعنی شیخ کا نام حذف کرنے کی بیماری نہیں ہے اسلئے اسے احتمالِ اول یعنی

براہِ راست سماع پر محمول کیا جائیگا اور حدیث کو متصل قرار دیا جائیگا۔

اور اگر راوی کی مروی عنہ سے ایک دفعہ بھی ملاقات ثابت نہیں ہے لیکن پھر بھی اس سے براہِ راست نقل کر رہا ہے تو اس صاف معلوم ہو جاتا ہے کہ راوی اور مروی عنہ کے درمیان کوئی واسطہ ہے جو اس نے حذف کر دیا ہے اسلئے اس صورت میں حدیث کو منقطع قرار دیا جائیگا۔

اور اگر راوی کی مروی عنہ سے ملاقات تو ثابت ہے لیکن اسے تدلیس یعنی شیخ کا نام حذف کرنے کی بیماری ہے تو اس صورت میں چونکہ غالب گمان یہی ہے کہ اسنے یہاں بھی اپنے اصل شیخ کا نام حذف کر کے اُس مروی عنہ کی طرف نسبت کر دی ہو جس سے اسکے شیخ نے سنا ہے نہ کہ اس نے، اسلئے اسے احتمالِ ثانی یعنی بالواسطہ سماع پر محمول کیا جائیگا اور حدیث کو منقطع قرار دیا جائیگا۔

فائدہ:

اگر کوئی شخص "قَالَ لِیْ" یا "ذَکَرَلِیْ" اور ایسے ہی "قَالَ لَنَا" یا "ذَکَرَلَنَا" کے ذریعہ حدیث بیان کرے تو اسے سماع پر محمول کیا جائیگا البتہ اتنی بات ہے کہ سماع کے جو دوسرے صیغے ہیں مثلاً "سَمِعْتُ" اور "حَدَّثَنِیْ" وغیرہ ایسے سماع پر دلالت کرتے ہیں جو شیخ کے بیانِ حدیث کے وقت ہو، جس کے ساتھ روایت کرنے کی اجازت بھی ہوتی ہے اور یہ صیغے ایسے سماع پر دلالت کرتے ہیں جو باہمی گفتگو اور مذاکرہ کے وقت ہو، جس کے ساتھ روایت کرنے کی اجازت نہیں ہوتی۔

(۷) اِجازت:

کوئی شیخ طالبِ حدیث کو تحریری یا زبانی طور پر اپنی سند سے روایتِ حدیث کی اجازت دے دے جبکہ طالب نے وہ حدیث شیخ سے نہ تو سنی ہو اور نہ ہی شیخ کے سامنے پڑھی ہو۔

اور اسکی صورت یہ کہ شیخ طالبِ حدیث سے یہ کہے یا یہ لکھ کر بھیجے کہ میں تم کو اپنی سند سے فلاں حدیث یا فلاں فلاں کتاب کی حدیثیں روایت کرنے کی اجازت دیتا ہوں۔

(۸) مشافه:

یہ ہے کہ کوئی شیخ طالبِ حدیث کو زبانی طور پر اپنی سند سے روایتِ حدیث کی اجازت دے دے۔

اجازت کی اقسام:

(۱) إجازتِ خاصه:

یہ ہے کہ مُجازلہٗ یعنی جسکو اجازت دے رہا ہے وہ بھی متعین ہو اور مُجازبہٖ یعنی جسکی اجازت دے رہا ہے وہ بھی متعین ہو جیسے أَجَزْتُ لَكَ صَحِيْحَ الْبُخَارِيِّ تو اسمیں مُجازلہٗ یعنی جسکو اجازت دے رہا وہ بھی متعین ہے اور وہ مخاطب ہے اور مُجازبہٖ یعنی جسکی اجازت دے رہا ہے وہ بھی متعین ہے اور وہ صحیح بخاری ہے۔

إجازتِ خاصه کا حکم:

اس صورت میں مجازلہٗ کے لئے شیخ کی سند سے وہ حدیثیں روایت کرنا جائز ہے جنکی شیخ نے اجازت دی ہے۔

(۲) إجازتِ عامه:

یہ ہے کہ کوئی شیخ کہے کہ میں نے اپنی سند سے روایت کرنے کی فلاں جماعت کو یا تمام مسلمانوں کو اجازت دیدی۔

حکم:

اس صورت میں شیخ کی سند سے روایت کرنا جائز نہیں ہے۔

(۳) إجازت للمجهول:

یہ ہے کہ شیخ کسی نامعلوم شخص کو اپنی سند سے روایت کرنے کی اجازت دیدے مثلاً

کہے کہ میں ایک طالبِ علم کو اپنی سند سے روایت کرنے کی اجازت دیتا ہوں اور اسے متعین نہ کرے یا کسی شخص کا نام لے کر اسے روایت کرنے کی اجازت دے لیکن اس نام کے بہت سے اشخاص ہوں اور اسے انکے درمیان سے متعین نہ کرے مثلاً کہے کہ میں نے محمد کو اپنی سند سے روایت کرنے کی اجازت دی، اس صورت میں اگر چہ اسکا نام معلوم ہے لیکن وہاں اس نام کے کئی اشخاص ہونے کی وجہ سے وہ مجہول ہے۔

حکم:

اس صورت میں شیخ کی سند سے روایت کرنا جائز نہیں ہے۔

(٤) اجازتِ بالمجهول:

یہ ہے کہ شیخ کسی طالب کو اپنی سند سے غیر متعین حدیثیں روایت کرنے کی اجازت دیدے مثلاً یہ کہے کہ میں نے تمہیں حدیث کی کتاب روایت کرنے اجازت دی یا یہ کہے کہ میں نے تمہیں اپنی بعض حدیثیں روایت کرنے کی اجازت دی، اور وہ کتاب یا بعض حدیثیں جنکے روایت کرنے کی اجازت دی ہے کسی طرح بھی متعین نہ ہوسکتی ہوں۔

حکم:

اس صورت میں شیخ کی سند سے روایت کرنا جائز نہیں ہے۔

(٥) اجازت للمعدوم:

یہ ہے کہ شیخ کسی ایسے شخص کو اپنی سند سے حدیثیں روایت کی اجازت دے جو معدوم ہو یعنی جسکا فی الحال وجود ہی نہ ہو مثلاً یہ کہے کہ میں فلاں بچے کو جو پیدا ہوگا روایت کی اجازت دیتا ہوں۔

حکم:

اس صورت میں شیخ کی سند سے روایت کرنا جائز نہیں ہے۔

(۹) مکاتبہ:

یہ ہے کہ شیخ حدیث لکھ کر کسی شاگرد کو پہنچادے، چاہے شاگرد شیخ کے شہر سے غائب ہو یا شیخ کے شہر میں موجود ہو، اب اگر اس مکاتبہ میں شیخ کی سند سے روایت کرنے کی صریح اجازت موجود ہو تو یہ مکاتبۂ مقرونہ بالاِجازہ ہے اور اگر صریح اجازت موجود نہ ہو تو وہ مکاتبۂ غیر مقرونہ بالاِجازہ ہے۔

(۱۰) مناولہ:

یہ ہے کہ شیخ اپنی اصل کتاب یا اسکی نقل کسی طالبِ حدیث کو دیدے یا طالب شیخ کی کتاب نقل کر کے شیخ کے سامنے پیش کرے اور شیخ اسمیں غور وفکر کے ذریعہ یا اپنی اصل کتاب سے مقابلہ کے ذریعہ جان لے کہ یہ اسکی اصل کتاب کی ہی طرح ہے، اب شیخ کی کتاب سے مقابلہ چاہے شیخ نے کیا ہو جیسا کہ گذرا یا شیخ کے شاگرد نے، اور دونوں صورتوں میں شیخ کہے کہ: کہ میں اس کتاب کو فلاں سے روایت کرتا ہوں اور میں تمہیں اپنی سند سے اس کتاب کو روایت کرنے کی اجازت دیتا ہوں اور یہ مناولۂ مقرونہ بالاِجازہ ہے کیونکہ اسمیں روایت کرنے کی اجازت صراحت کے ساتھ موجود ہے اور اگر اسمیں صراحۃً اجازت موجود نہیں ہے تو وہ مناولۂ غیر مقرونہ بالاِجازہ ہے۔

تنبیہ:

مناولہ اور مکاتبہ میں شاگرد کو شیخ کی سند سے روایت کرنے کی مطلقاً اجازت ہے جسکی تفصیل یہ ہے کہ اگر مناولہ اور مکاتبہ میں اجازت صراحۃً موجود ہو تو اس صورت میں شاگرد کے لئے روایت کرنے کا جائز ہونا ظاہر ہے اور اگر صراحۃً اجازت موجود نہ ہو تو یہ کہا جائیگا اشارۃً اجازت موجود ہے کیونکہ شیخ کا شاگرد کو اپنی روایات براہِ راست دینا جیسا کہ مناولہ میں ہے یا لکھ کر بھیج دینا جیسا کہ مکاتبہ میں ہے اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ اسے روایت کرنے کی اجازت ہے جیسا کہ علامہ عبدالحی لکھنویؒ نے ظفر الامانی میں اسکی صراحت کی ہے۔

(۱۱)وِجادت:

کسی راوی کو کسی شیخ کی لکھی ہوئی کوئی حدیث مل جائے اور طرزِ تحریر، دستخط یا شہادت وغیرہ کے ذریعہ یقین ہو جائے کہ: یہ فلاں ہی کی تحریر ہے۔

وجادت کے ذریعہ روایت کا حکم:

وجادت کے ذریعہ روایت اس وقت جائز ہے جبکہ صاحبِ تحریر نے اسکی روایت کی اجازت بھی دی ہو، اگر صاحبِ تحریر کی طرف سے اجازت ہو تو لفظِ "أخْبَرَنِیْ" سے روایت کر سکتا ہے، اور اجازت نہ ہونے کی صورت میں یہ کہہ کر روایت کر سکتا ہے کہ: فلاں کے قلم سے لکھی ہوئی تحریر میں یوں ہے "(وَجَدْتُّ بِخَطِّ فُلَان) یا اسکے ہم معنی کوئی اور لفظ کہے لیکن ایسے الفاظ سے روایت نہ کرے جو شیخ سے سننے یا شیخ کے سامنے پڑھنے پر دلالت کرے جیسے سَمِعْتُ اور أخْبَرَنِیْ وغیرہ۔

(۱۲)وصیتِ کتاب:

یہ ہے کہ کوئی استاذ اپنی وفات یا سفر کے وقت کسی کے لئے یہ وصیت کر دے کہ: یہ کتاب فلاں کو دیدی جائے۔

وصیت کے ذریعہ روایت کا حکم:

ایسی کتاب جو کسی کو وصیت کے سبب ملی ہو اسکے لئے صاحبِ کتاب کی سند سے اس کتاب کی حدیثیں روایت کرنا جائز ہے بشرطیکہ کہ صاحبِ کتاب نے اپنی سند سے روایتیں نقل کرنے کی اجازت دی ہو۔

ایک اشکال اور اسکا جواب:

یہاں یہ اشکال ہوتا ہے کہ ایسی کتاب یا کاپی جو کسی کو مناولہ یا مکاتبہ یا وصیت کے طور پر ملی ہو اسکے لئے صاحبِ کتاب کی سند سے اس کتاب یا کاپی کی حدیثیں روایت کرنا

جائز ہے اگر صاحبِ کتاب کی طرف سے اجازت صراحت کے ساتھ منقول ہو اور اگر صراحت کے ساتھ اجازت منقول نہ ہو تو مناولہ اور مکاتبہ میں تو اسکے لئے صاحبِ کتاب کی سند سے اس کتاب یا کاپی کی حدیثیں روایت کرنا جائز ہے اور وجہ اسکی یہ بیان کی جاتی ہے کہ صاحبِ کتاب کا کتاب یا کاپی کو اسکے سپرد کر دینا یہ اشارۃً اجازت پر دلالت کرتا ہے حالانکہ یہ سپردگی تو وصیت میں بھی پائی جاتی ہے تو اسمیں بھی اس اشاری اجازت کی وجہ سے اسکے لئے صاحبِ کتاب کی سند سے اس کتاب یا کاپی کی حدیثیں روایت کرنا جائز ہونا چاہئے لیکن اصولیین اسمیں صرف اسکے لئے صاحبِ کتاب کی سند سے روایت کو اسی وقت جائز کہتے ہیں جب اجازت صراحۃً منقول ہو اگر صراحۃً منقول نہ ہو تو پھر صاحبِ کتاب کی سند سے روایت کو جائز نہیں کہتے۔

جواب:

یہ ہے کہ مناولہ اور مکاتبہ میں صاحبِ کتاب کا کتاب یا کاپی کو کسی کے سپرد کرنا یہ اشارۃً اجازت اسلئے مانا جاتا ہے کیونکہ ان دونوں میں وہ اس شخص کو کتاب یا کاپی کا اہل اور لائق سمجھ کر سپرد کرتا ہے برخلاف وصیت کے وہاں ملکیت کی تبدیلی مقصود ہوتی ہے یعنی میرے مرنے کے بعد یہ کتاب یا کاپی فلاں کی ملکیت میں دیدی جائے تو وصیت میں اس شخص کے اہل اور لائق ہونے کا لحاظ ہمیشہ نہیں ہوتا بلکہ کبھی تو اہلیت کا لحاظ کر کے وصیت کی جاتی ہے اور کبھی اہلیت کا لحاظ کئے بغیر محض مالک بنانے کے لئے وصیت کر دی جاتی ہے اسلئے وصیت کی صورت میں اس شخص کے لئے صاحبِ کتاب کی سند سے اس کتاب یا کاپی کی حدیثیں روایت کرنا اسی وقت جائز ہے جب اجازت صراحت کے ساتھ منقول ہو۔

(۱۳) إعلام:

یہ ہے کہ کوئی شیخ کسی شاگرد کو بتلا دے کہ میں فلاں کتاب کو فلاں محدث سے روایت کرتا ہوں۔

اعلام کے ذریعہ روایت کا حکم:

اعلام کی صورت میں شیخ کی سند سے شیخ کی ذکر کردہ کتاب کو روایت کرنا اس وقت جائز ہے جب شیخ نے اسکے روایت کرنے اجازت دی ہو، بلا اجازت روایت کرنا جائز نہیں ہے۔

خاتمہ

طبقاتِ محدثین

طبقہ:

محدثین کی اصطلاح میں ''طبقہ'' کہتے ہیں ایسی جماعت کو جو عمر میں یا اساتذہ سے پڑھنے میں شریک ہو۔

بارہ ۱۲ طبقات:

صاحبِ نخبہ حافظ ابنِ حجر عسقلانیؒ نے تقریب التہذیب کے شروع میں صحاح ستہ کے روات کے بارہ ۱۲ طبقات متعین کیے ہیں اور یہ حافظ صاحب کی خاص اصطلاح ہے جس کا وہ تقریب میں جگہ جگہ حوالہ دیتے ہیں اسلئے اس سے واقف رہنا ضروری ہے اور وہ یہ کہ حافظ صاحب جب احوالِ روات بیان کرتے ہوئے راوی کا سنِ وفات ذکر کرتے ہیں تو سیکڑہ حذف کردیتے ہیں، صرف دہائی اور اکائی ذکر کردیتے ہیں اور اس کے بارے میں شروع کتاب میں یہ ضابطہ بیان کیا ہے کہ طبقۂ اولی اور ثانیہ کے تمام روات کی وفات پہلی صدی میں ہوئی ہے اسلئے انکے سنِ وفات میں کوئی سیکڑہ محذوف نہیں ہوگا کیونکہ جب صدی ہی پہلی ہے تو سیکڑہ ہوا ہی نہیں کہ محذوف کیا جائے، اور طبقۂ ثالثہ سے طبقۂ ثامنہ تک کے تمام روات کی وفات دوسری صدی میں ہوئی ہے یعنی پہلی صدی کے

بعد دوسری صدی کے ختم ہونے سے پہلے ہوئی ہے اسلئے انکے سنِ وفات میں ''ماۃ'' یعنی ایک سیکڑہ محذوف رہیگا، اور طبقۂ تاسعہ سے بارہویں طبقہ تک کے تمام روات کی وفات تیسری صدی میں ہوئی ہے اسلئے وہاں ''ما تین'' یعنی دوسیکڑے محذوف رہیں گے مثلاً امام احمد بن حنبل کے حالات میں تقریب میں ہے کہ ''أحمد بن محمد بن حنبل.........أحد الأئمة ثقة حافظ وهو رأس الطبقة العاشرة، مات سنة إحدىٰ وأربعين، وله سبع وسبعون سنة'' (امام احمد بن محمد بن حنبل.........ایک امام ہیں، ثقہ اور حافظ ہیں، دسویں طبقے کے شروع کے ہیں، اور آپکی وفات ۴۱ھ ہجری میں ہوئی اس وقت آپکی عمر ۷۷ سال تھی، تو چونکہ وہ دسویں طبقہ کے راوی ہیں اور آٹھویں طبقے سے بارہویں طبقے تک کے روات کی وفات تیسری صدی میں ہوئی ہے اسلئے یہاں ''ما تین'' یعنی دوسیکڑے محذوف ہونگے اور مطلب یہ ہوگا کہ امام احمد بن حنبل کی وفات ۲۴۱ھ ہجری میں ہوئی ہے نہ کہ صرف ۴۱ھ ہجری میں۔

طبقۂ اولیٰ:

تمام صحابۂ کرامؓ کا طبقہ

طبقۂ ثانیہ:

کبارِ تابعینؒ کا طبقہ، جسے تابعین کا اول طبقہ بھی کہہ سکتے ہیں جیسے حضرت سعید بن المسیبؒ

نوٹ:

مُخضرم: وہ شخص کہلاتا ہے جس نے حضور کا زمانہ پایا ہو لیکن حضور کی صحبت حاصل نہ ہوئی ہو تو ایسے شخص کا کبارِ تابعین کے طبقے یعنی طبقۂ ثانیہ میں شمار ہوگا۔

طبقۂ ثالثہ:

تابعینؒ کا درمیانی طبقہ جیسے حسن بصریؒ اور محمد بن سیرینؒ۔

طبقۂ رابعہ:

تابعینؒ کا درمیانی طبقے سے ملا ہوا طبقہ، جنکی اکثر روایات کبارِ تابعین سے ہوتی ہیں جیسے امام زہریؒ اور قتادہؒ۔

طبقۂ خامسہ:

تابعینؒ کا طبقۂ صغریٰ، جنہوں نے ایک دو ہی صحابہ کو دیکھا ہے اور بعض کا تو صحابہ سے سماع بھی ثابت نہیں ہے جیسے سلیمان اعمشؒ

طبقۂ سادسہ:

طبقۂ خامسہ کا معاصر طبقہ، اس طبقہ میں وہ روات آتے ہیں جنکی کسی صحابی سے ملاقات نہیں ہوئی جیسے ابنِ جریجؒ۔

فائدہ:

طبقۂ خامسہ اور سادسہ میں فرق یہ ہے کہ طبقۂ سادسہ کے روات کی کسی بھی صحابی سے ملاقات نہیں ہے اور طبقۂ خامسہ کے روات کی ایک دو صحابی سے ملاقات ہے، رہی بات کسی صحابی سے سماع کی تو وہ طبقۂ خامسہ کے بعض روات کے لئے تو ثابت ہے اور بعض کے لئے ثابت نہیں ہے۔

طبقۂ سابعہ:

کبارِ تبعِ تابعین کا طبقہ جیسے امام مالکؒ اور امام ثوریؒ۔

طبقۂ ثامنہ:

تبعِ تابعین کا درمیانی طبقہ جیسے سفیان بن عیینہؒ اور اسماعیل بن عُلَیہؒ۔

طبقۂ تاسعہ:

تبعِ تابعین کا طبقۂ صغریٰ جیسے امام شافعیؒ، یزید بن ہارونؒ، ابوداؤد طیالسیؒ اور عبدالرزاق صنعانیؒ۔

طبقۂ عاشرہ:

تبعِ تابعین کے بعد ان سے روایت کرنے والے طبقے کے اکابر جنکی کسی بھی تابعی سے ملاقات نہیں ہوسکی، بس تبعِ تابعی سے ہی انکی ملاقات ہوئی ہے جیسے امام احمد بن حنبل

طبقۂ حادیہ عشرہ:

تبعِ تابعین کے بعد ان سے روایت کرنے والے طبقے کا درمیانی طبقہ جیسے امام بخاریؒ اور امام ذہلیؒ۔

طبقۂ ثانیہ عشرہ:

تبعِ تابعین کے بعد ان سے روایت کرنے والے طبقے کا طبقۂ صغریٰ جیسے امام ترمذیؒ۔

رواۃ کی پیدائش ووفات کی معرفت:

رواۃ کی پیدائش ووفات کی تاریخوں کا جاننا ضروری ہے تاکہ اگر کوئی راوی کسی شیخ سے لقاء کا جھوٹا دعوی کرے تو پتہ چل جائے۔

رواۃ کے شہر اور وطن کی معرفت:

رواۃ کے شہر اور وطن کا جاننا بھی ضروری ہے تاکہ جو رواۃ ہم نام ہیں ان میں نسبت سے فرق کیا جاسکے۔

رواۃ کے احوال:

رواۃ کے احوال کا جاننا تو سب سے زیادہ ضروری ہے تاکہ معلوم ہوسکے کہ کون راوی عادل ہے اور کون غیر عادل، کون ثقہ ہے اور کون مجروح، کون معروف ہے اور کون مجہول، کیونکہ احادیث کے بارے میں ہر فیصلہ رواۃ کے احوال پر موقوف ہے۔

جرح کے مراتب:

جرح کے مراتب کا جاننا بھی ضروری ہے کیونکہ جرح ہلکی بھاری ہوتی ہے اور اس سے حدیث کے درجات متفاوت ہوتے ہیں۔

بدترین جرح:

یہ ہے کہ فنِ حدیث کا ماہر کسی راوی کے متعلق اسمِ تفضیل کا صیغہ "أَكْذَبُ النَّاس" استعمال کرے۔

متوسط جرح:

یہ ہے کہ فنِ حدیث کا ماہر کسی راوی کے متعلق "دَجَّال یا كَذَّاب یا وَضَّاع" کا صیغہ استعمال کرے۔

معمولی جرح:

یہ ہے کہ فنِ حدیث کا ماہر کسی راوی کے متعلق یہ کہے کہ "فُلَانٌ لَيِّنٌ" (فلاں نرم ہے یعنی روایت کرنے میں محتاط نہیں ہے) یا یہ کہے کہ فلاں کی یادداشت خراب ہے یا یہ کہے کہ فلاں راوی میں کلام ہے۔

تعدیل کے مراتب:

تعدیل کے مراتب کا جاننا بھی ضروری ہے کیونکہ تعدیل بھی ہلکی بھاری ہوتی ہے اور اس سے حدیث کے درجات متفاوت ہوتے ہیں۔

تعدیل کا اعلیٰ رتبہ:

یہ ہے کہ فنِ حدیث کا ماہر کسی راوی کے متعلق اسمِ تفضیل کا صیغہ استعمال کرے اور کہے "أَوْثَقُ النَّاس" (لوگوں میں سب سے زیادہ ثقہ)۔

متوسط تعدیل:

وہ ہے جوایک صفت یا دوصفتوں سے مؤکد ہو جیسے فُلَانٌ ثِقَۃٌ ثِقَۃٌ یافُلَانٌ ثَبتٌ ثَبتٌ یافُلَانٌ ثِقَۃٌ حَافِظٌ۔

معمولی تعدیل:

معمولی تعدیل یہ ہے کہ اس سے راوی کا جرح کے ادنیٰ مرتبہ کے قریب ہونا معلوم ہوتا ہو جیسے فُلَانٌ شَیْخٌ (فلاں عالمِ حدیث ہے) یا یُرْوٰی حَدِیْثُہٗ (اسکی حدیثیں روایت کی جاسکتی ہے) یا یُعْتَبَرُ بِہٖ (اسکی حدیثیں متابعت وشواہد کے طور پر لائی جاسکتی ہیں)۔

مراتبِ جرح وتعدیل

حافظ ابنِ حجرؒ نے تقریب التھذیب کے شروع میں جرح وتعدیل کے بارہ ۱۲ مراتب ذکر کئے ہیں یہ اگرچہ حافظ صاحب کی مخصوص اصطلاحات ہیں جو انہوں نے تقریب میں استعمال کی ہیں مگر اب عام طور یہی اصطلاحات استعمال کی جاتی ہیں اسلئے انکا جاننا بھی ضروری ہے۔

مرتبۂ اولی:

صحابی ہونا۔

حکم:

یہ توثیق کا سب سے اعلیٰ رتبہ ہے، تمام صحابۂ کرام بلاشبہ عادل ہیں۔

مرتبۂ ثانیہ:

مرتبۂ ثانیہ میں وہ روات ہیں جنکی تعدیل ائمۂ جرح وتعدیل نے تاکید کے ساتھ کی ہے خواہ صیغۂ اسمِ تفضیل استعمال کیا ہو جیسے أَوْثَقُ النَّاس یا کسی صفتِ مادحہ کو لفظاً مکرر استعمال کیا ہو جیسے فُلَانٌ ثِقَۃٌ ثِقَۃٌ یا معنیً مکرر استعمال کیا ہو جیسے فُلَانٌ ثِقَۃٌ حَافِظٌ۔

حکم:

ایسے رواۃ کی حدیث نمبر ایک صحیح لذاتہٖ ہوتی ہے، ہاں اگر کسی حدیث میں انہیں وہم ہو جائے تو اسے ضعیف قرار دیا جائیگا۔

مرتبۂ ثالثه :

تیسرے مرتبہ میں وہ رواۃ آتے ہیں جنکی تعدیل ائمۂ جرح وتعدیل نے ایک صفتِ مادحہ کے ذریعہ کی ہو مثلاً انکے بارے میں "ثِقَةٌ یا مُتْقِنٌ یا ثَبتٌ یا عَدْلٌ" کہا ہو ۔

حکم:

ایسے رواۃ کی حدیث نمبر دو کی صحیح لذاتہٖ ہوتی ہے، ہاں اگر کسی حدیث میں انہیں وہم ہو جائے تو اسے ضعیف قرار دیا جائیگا۔

مرتبۂ رابعه:

مرتبۂ رابعہ میں وہ رواۃ آتے ہیں جو تیسرے مرتبہ کے رواۃ سے کچھ کم رتبہ ہیں انکے لئے حافظ صاحب نے تقریب میں "صَدُوْقٌ یا لَابَأْسَ بِهٖ یا لَیْسَ بِهٖ بَأْسٌ" کے الفاظ استعمال کئے ہیں۔

حکم:

ایسے رواۃ کی حدیث نمبر تین کی صحیح لذاتہٖ ہوتی ہے، ہاں اگر کسی حدیث میں انہیں وہم ہو جائے تو اسے ضعیف قرار دیا جائیگا۔

مرتبۂ خامسه:

مرتبۂ خامسہ میں وہ رواۃ آتے ہیں جو چوتھے مرتبہ کے رواۃ سے کچھ کم رتبہ ہیں انکے لئے حافظ صاحب نے تقریب میں "صَدُوْقٌ سیئ ءُ الْحِفْظِ یاصَدُوْقٌ یَهِمُ یا صَدُوْقٌ لَهٗ أَوْهَامٌ یاصَدُوْقٌ یُخْطِئُ یاصَدُوْقٌ تَغَیَّرَ بِآخِرَةٍ" کے الفاظ استعمال کئے ہیں۔ نیز وہ تمام رواۃ بھی اسی رتبہ میں ہیں جن پر کسی بھی بدعقیدگی کی تہمت ہے مثلاً

شیعہ ہونا، قدری ہونا، ناصبی ہونا، مرجئ ہونا یا جہمی وغیرہ ہونا۔

حکم:

ایسے رواۃ کی حدیث نمبر ایک کی حسن لذاتہٖ ہوتی ہے اور کثرتِ طرق سے حدیث صحیح لغیرہٖ ہوجائیگی، ہاں اگر کسی حدیث میں وہم یا خطا یا مخالفت ظاہر ہوجائے تو اسے ضعیف قرار دیا جائیگا۔

مرتبۂ سادسہ:

مرتبۂ سادسہ میں وہ رواۃ ہے جن سے بہت ہی کم حدیثیں مروی ہے اور انکے بارے میں کوئی ایسی جرح ثابت نہیں جسکی وجہ سے انکی حدیث کو متروک قرار دیا جائے ، حافظ صاحب نے ایسے رواۃ کے لئے اگر کوئی متابع موجود ہے تو "مقبول" کالفظ استعمال کیا ہے اور کوئی متابع موجود نہیں ہے تو "لَیِّنُ الْحَدِیْث" کالفظ استعمال کیا ہے۔

حکم:

مقبول کی حدیث نمبر دو کی حسن لذاتہٖ ۔اور "لَیِّنُ الْحَدِیْث" کی حدیث نمبر تین کی حسن لذاتہٖ ہوتی ہے۔

مرتبۂ سابعہ:

مرتبۂ سابعہ میں وہ رواۃ آتے ہیں جن سے روایت کرنے والے تو ایک سے زائد تلامذہ ہیں مگر کسی امام نے ان کی توثیق نہیں کی، حافظ صاحب نے انکے لئے "مَسْتُوْر یا مَجْھُوْلُ الحَال" کے الفاظ استعمال کئے ہیں۔

حکم:

یہ ہے کہ ایسے رواۃ کی حدیث میں توقف کیا جائے ، ہاں اگر متابع اور شواہد موجود ہوں تو نمبر ایک کی حسن لغیرہٖ ہوجاتی ہے۔

مرتبۂ ثامنہ:

اس مرتبے میں وہ رواۃ آتے ہیں جنکی قابلِ اعتبار توثیق نہیں کی گئی بلکہ تضعیف کی گئی ہے اگرچہ وہ تضعیف مبہم ہو، حافظ صاحب نے انکے لئے ''ضعیف'' کا لفظ استعمال کیا ہے۔

حکم:

ایسے رواۃ کی حدیث ضعیف ہوتی ہے اور اگر ایسی حدیث متعدد سندوں سے مروی ہوتو وہ نمبر دو کی حسن لغیرہ بن جاتی ہے۔

مرتبۂ تاسعہ:

مرتبۂ تاسعہ میں وہ رواۃ آتے ہیں جن سے روایت کرنے والا صرف ایک ہی شاگرد ہے اور کسی امام نے ان کی توثیق نہیں کی ،حافظ صاحب نے انکے لئے '' مَجْهُوْل'' کا لفظ استعمال کیا ہے۔

حکم:

ایسے رواۃ کی حدیث ضعیف ہوتی ہے اور اگر ایسی حدیث متعدد سندوں سے مروی ہوتو وہ نمبر تین کی حسن لغیرہ بن جاتی ہے۔

مرتبۂ عاشرہ:

اس مرتبے میں وہ رواۃ آتے ہیں جنکی کسی نے بھی توثیق نہیں کی بلکہ انکی انتہائی سخت تضعیف کی گئی ہے، حافظ صاحب نے انکے لئے "مَتْرُوك يا مَتْرُوكُ الْحَدِيْث يا وَاهِي الْحَدِيْث يا سَاقِط" کے الفاظ استعمال کئے ہیں۔

حکم:

ایسے رواۃ کی حدیث بہت زیادہ ضعیف ہوتی ہے، اعتبار کی صلاحیت نہیں رکھتی۔

مرتبۂ حادیہ عشرہ:

اس مرتبہ میں وہ رواۃ آتے ہیں جنکا عام حالات میں جھوٹ بولنا ثابت ہے لیکن

حدیثِ نبوی میں جھوٹ بولنا ثابت نہیں ہے اور وہ روات بھی آتے ہیں جنکی حدیث شریعت کے قواعدِ معلومہ کے خلاف ہے

حکم:

ایسے روات کی حدیث ''متروک یا مطروح'' کہلاتی ہے۔

مرتبۂ ثانیہ عشرہ:

اس مرتبہ میں وہ روات آتے ہیں جنکا حدیثِ نبوی میں جھوٹ بولنا ثابت ہے ،ایسے روات کے لئے "کذّاب اور وضّاع" کے الفاظ استعمال کئے گئے ہیں۔

حکم:

ایسے روات کی حدیث ''موضوعات اور اباطیل'' کہلاتی ہیں۔

بحمد اللہ تم الکتاب

آج بروز منگل ۳ دسمبر ۲۰۱۹ کو یہ کتاب اللہ کے فضل سے پوری ہوگئی ،قارئینِ کرام سے گذارش ہے کہ وہ مجھے اور میرے والدین کو اپنی مقبول دعاؤں میں یاد رکھیں اور خصوصاً میرے واسطے اور میرے والدین کے واسطے رضائے الٰہی اور مغفرت کی دعا کریں ،اللہ آپکو جزائے خیر دے۔

عبدالعظیم سعیدی

غُفِرَلَہٗ ولوالدیہِ